اردو

طهارت و نماز کی غلطیا ں
اور آداب مساجد کے منافی امور

مختصر

مخالفات الطهارة والصلاة

وبعض مخالفا ت المساجد
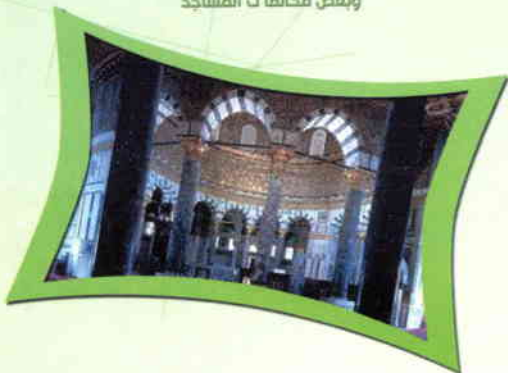
تأليف

الشيخ : عبدالعزيز بن محمد السدحان

ترجمة

محمد سليم ساجد المدني

المكتب التعاوني للدعوة والارشاد وتوعية الجاليات بغرب الديرة

The Cooperative Office for Call & Guidance to Communities at Western Diraah

هاتف: ٤٣٩١٩٤٢ فاكس: ٤٣٩١٨٥١ ص.ب ١٥٤٤٨٨ الرياض ١١٧٣٦

لدعم مطبوعات المكتب - لدى مصرف الراجحي ١٩٥٦٠٨٠١٠٠٩٣٤٠٤

WWW.DERADAWA.COM (E-MAIL: INFO@DERADAWA.COM)

اردو

مختصر مخالفات الطهارة والصلاة
وبعض مخالفات المساجد

طہارت ونماز کی غلطیاں
اور آداب مساجد کے منافی امور

تالیف:

شیخ عبدالعزیز بن محمد السدحان

اختصار:

شیخ عبداللّٰہ بن یوسف العجلان

ترجمہ:

محمد سلیم ساجد المدنی

نشر وتوزیع:

المكتب التعاونى للدعوة والإرشاد وتوعية الجاليات بغرب الديرة

ص.ب:۱۵۴۴۸۸ الریاض:۱۱۷۳۶ ہاتف:۴۳۹۱۹۴۲ فاکس:۴۳۹۱۸۵۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للّٰه رب العالمين، والصلاة والسلام على إمامنا وقدوتنا محمد بن عبداللّٰه وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد:

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے زیر نظر کتاب کو قارئین کرام کی خدمت میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی ہے، اس کتاب میں ہم نے طہارت، پاکیزگی اور نماز کے اندر سرزد ہونے والے خلاف سنت امور کا تذکرہ کیا ہے، نیز آداب مساجد کے حوالے سے لوگ جو غلطیاں کرتے ہیں ان پر بھی مختصر روشنی ڈالی گئی ہے، یہ ایسی غلطیاں ہیں جن سے بچے بغیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنت اور صحابہ کرام کے طریقے پر چلنا ممکن ہی نہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے ذریعہ ہر خاص وعام کو بہت نفع پہنچایا ہے۔

قارئین کرام کا علمی معیار مختلف ہوتا ہے اس لئے بعض قارئین کیلئے جرح وتعدیل کے قوانین، اصول حدیث، راویوں کا معیار، حدیث کے درجات،

بعض مسائل میں تطبیق اور خاص وعام کا فرق وغیرہ سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ بعض حضرات تو ضعیف حدیث کے ذکر کرنے سے وہ معنی سمجھ لیتے ہیں جو دراصل مصنف کے پیش نظر ہوتا ہی نہیں، اس طرح فائدہ کے بجائے نقصان کا اندیشہ زیادہ ہوجاتا ہے، بعض لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ جب ان سے کوئی کہتا ہے کہ یہ حدیث ہے تو فوراً مان لیتے ہیں، یہ سوچنے کی زحمت ہی نہیں کرتے کہ دیکھا جائے یہ حدیث ضعیف ہے، موضوع ہے، یا سرے سے حدیث ہے بھی یا نہیں؟ یہ سب کچھ میں نے خود محسوس کیا ہے، اس لئے میں نے مصنف کو مشورہ دیا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم اس کتاب کا خلاصہ تیار کرتے ہیں اور دونوں جلدوں کو ملا کر ایک ایسی چھوٹی کتاب کی شکل دیتے ہیں جسے ہر شخص آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکے، اور روئے زمین پر بسنے والا ہر مسلمان اس سے مستفید ہو۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کاوش میں اخلاص عطا فرمائے اور ہر زمانے میں ہر جگہ اس کتاب کو مفید بنائے رکھے اور ہمیں اپنی آغوش رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

درود وسلام ہوں ہمارے نبی، ان کی آل اور تمام صحابہ کرام پر

عبداللہ بن یوسف عجلان- ریاض، ۱۴۱۲/۶/۸ھ

پہلا باب
طہارت کی غلطیاں

طہارت کی غلطیاں

① **وضو کے لئے زبان سے نیت کرنا:** یہ خلاف سنت فعل ہے، ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وضو کے لئے یا نماز کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی ایسی روایت نہیں ملتی کہ انہوں نے اس طرح کہا ہو (میں وضو کی نیت کرتا ہوں......) اس بارے میں کسی صحیح یا ضعیف حدیث میں ایک حرف بھی ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ سنت ہے۔

② **وضو کے دوران دعائیں کرتے رہنا:** یہ بھی خلاف سنت ہے، جیسے بعض لوگ دایاں ہاتھ دھوتے وقت کہتے ہیں: ''اے اللہ مجھے میرا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دینا'' اور چہرہ دھوتے وقت کہتے ہیں: ''جس دن بعض چہرے سفید اور بعض چمکدار ہوں گے، میرا چہرا بھی سفید اور چمکدار بنادے......''

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح احادیث سے ایسی کوئی بات ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی وضو کے دوران کوئی دعا کی ہو، البتہ شروع میں بسم اللہ کہنا ثابت ہے۔ جہاں تک دیگر دعاؤں کا تعلق ہے تو

یہ سب جھوٹی گھڑی ہوئیں احادیث ہیں جن کو احادیث کہنا بالکل غلط ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کوئی اذکار اپنی امت کو نہیں سکھائے، ہاں شروع میں بسم اللہ اور آخر میں یہ دعا احادیث سے ثابت ہے:

”أَشْهَدُ اَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِيْنَ واجْعَلْنِي مِنَ المتَطَهِّرِينَ“

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا اور پاکباز لوگوں میں سے بنا“

وضو کے بعد ایک اور دعا بھی ثابت ہے، جسے امام نسائی نے اپنی کتاب سنن میں ذکر کی ہے:

”سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيكَ“

”اے اللہ! تیری ذات پاک ہے اور تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، میں تجھی سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں“

③ وضو میں ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع سے لے کر پانچ مُد تک پانی سے غسل کرتے اور ایک مد پانی سے وضو کر لیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں وضو کے باب کے شروع میں لکھتے ہیں: ”پانی کا بے جا استعمال علماء کے نزدیک مکروہ ہے، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے آگے بڑھنا درست نہیں“

④ اچھی طرح سے وضو نہ کرنا: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں محمد بن زیاد سے یہ روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حال میں ہمارے پاس سے گزرے کہ ہم لوگ وضو کر رہے تھے تو فرمایا: وضو مکمل کرو بے شک ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

”وَيْلٌ لِلأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ“

''خشک ایڑیوں کے لئے بربادی ہے''

(یعنی ایڑیاں خشک نہ رکھی جائیں، اس بارے میں شدید وعید ہے)

حضرت خالد بن معدان فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ محترمہ نے ہمیں بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جس کے پاؤں کے ایک حصے پر ایک درہم کے برابر جگہ خشک تھی، وہاں پانی نہیں پہنچا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ وضو کرنے کا حکم دیا۔ (احمد وابوداود)

ایک روایت میں ہے کہ وضو اور نماز دونوں کو لوٹانے کا حکم دیا۔ اثرم کہتے ہیں: میں نے امام احمد سے پوچھا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے؟ فرمایا: بالکل صحیح ہے۔ (ابوداود وحاکم)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ وجوب پر دلالت کرتی ہے، یعنی جس شخص کا اس مقدار کے برابر جسم (وضوء کے اعضاء میں سے کسی) کا حصہ خشک رہ گیا، اس کے لئے واجب ہے کہ دوبارہ وضو کرے۔

⑤ پیشاب، پاخانے کے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی رفع حاجت کے لئے جائے تو نہ قبلہ کی طرف رخ کرے نہ ہی پیٹھ، بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرلیا کرو'' (اس حدیث کو احمد، بخاری، مسلم اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے)[1]

اس موضوع پر علماء کا اختلاف ہے، یعنی جیسی نوعیت ہوگی ویسا ہی حکم ہوگا۔

امام ابن تیمیہ اور ابن القیم کعبہ کی طرف رخ یا پیٹھ کرکے پیشاب، پاخانہ کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں۔

امام ابن القیم فرماتے ہیں: ہمارے پاس دس سے زیادہ ایسی دلیلیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کھلی جگہ یا چاردیواری کے اندر کوئی فرق نہیں ہے، دونوں صورت میں قبلہ کی طرف رخ یا پیٹھ کرکے پیشاب یا پاخانہ کرنا حرام ہے۔

شیخ ابن قاسم کی رائے میں اس مسئلہ میں یہی بہتر موقف ہے، دوسرے

---

(۱) مدینہ سے جنوب میں قبلہ ہے اس لئے مشرق یا مغرب کہا گیا ہے۔

لوگوں کے پاس کھلی جگہ اور چاردیواری کے مابین فرق کی کوئی خاص دلیل نہیں۔

(۶) پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنا: یہ انتہائی خطرناک گناہ ہے، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے کسی باغ کے پاس سے گزر رہے تھے کہ دو قبروں سے آپ کو انسانی آوازیں سنائی دیں جو عذاب میں مبتلا تھے، آپ نے فرمایا:

"ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے کسی بڑی بات پر عذاب نہیں دیا جا رہا ہے، پھر فرمایا: کیوں نہیں، ان میں سے ایک اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلیاں کھاتا پھرتا تھا، پھر ایک ٹہنی منگوائی، اس کے دو حصے کئے اور ان دونوں قبروں پر ایک ایک حصہ رکھ دیا، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! آپ نے یہ ٹہنیاں کیوں رکھیں؟ فرمایا: ہوسکتا ہے اس وقت تک ان کے عذاب میں کمی رہے جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوجائیں" (صحیح بخاری)

⑦ **بعض لوگ شرعی پردے کا خیال نہیں رکھتے بلکہ صرف پیشاب پاخانہ کی جگہ ہی کو چھپاتے ہیں،** حالانکہ یہ ٹھیک نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ران چھپانے کا بھی اسی طرح حکم دیا ہے جس طرح پیشاب پاخانہ کی جگہ یعنی شرم گاہ کو چھپانے کا حکم دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جرھد کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

"اے جرھد اپنی ران کو ڈھانپ لو، بیشک ران بھی ستر میں داخل ہے"

(اس حدیث کو احمد، ابوداود، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے صحیح سند سے روایت کیا ہے)

ارشاد نبوی ہے:

"ناف اور گھٹنے کے درمیان والے حصہ کا پردہ لازمی ہے"

(اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے)

⑧ **بعض لوگ رفع حاجت کی شدید ضرورت کے باوجود زبردستی پیشاب روکے ہوئے نماز ادا کرتے ہیں،** حالانکہ اس طرح وہ اپنے ساتھ زیادتی

کرتے ہیں اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی واضح خلاف ورزی بھی کرتے ہیں، جس میں آپ نے فرمایا:

"کھانا یعنی دسترخوان لگ جانے کے بعد کوئی نماز نہیں اور نہ ہی جب پیشاب پاخانہ تنگ کرر ہے ہوں" (صحیح مسلم بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ پانی کی عدم دستیابی ہو اور آدمی پیشاب کی ضرورت بھی محسوس کررہا ہو اور وہ باوضو ہو تو کیا پیشاب روکے ہوئے نماز ادا کرے یا رفع حاجت کے بعد تیمّم کر کے نماز ادا کرے؟

آپ نے فرمایا: پیشاب روکے ہوئے باوضو نماز پڑھنے سے بہتر ہے کہ پیشاب کر کے تیمّم کے ساتھ نماز ادا کرلے، کیونکہ پیشاب روکے ہوئے نماز پڑھنا مکروہ اور ممنوع ہے، لیکن تیمّم کے ساتھ نماز ادا کرنا بالکل درست ہے، اس بات پر علماء کا اتفاق ہے۔ واللہ اعلم

⑨ بہت سے لوگ بیدار ہونے کے فوراً بعد وضو کرنا شروع کردیتے ہیں، حالانکہ وہ ہاتھ دھوئے نہیں ہوتے یا پانی کے برتن میں اپنا ہاتھ ڈال کر سارا

پانی خراب کر دیتے ہیں، شریعت اسلامیہ میں ہاتھ دھو کر پانی والے برتن میں ڈالنے کا حکم ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تم میں سے کوئی جب اپنی نیند سے بیدار ہو تو اس وقت تک پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ اسے تین بار دھو نہ لے، بلا شبہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کس حالت میں گزاری“

(اس حدیث کو مالک، شافعی، احمد، بخاری، مسلم اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے)

⑩ **وضو کے شروع میں بسم اللہ نہ کہنا:** حضرت سعید بن زید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس شخص نے وضو نہ کیا اس کی نماز نہیں، اور جس نے اللہ کے نام سے وضو شروع نہ کیا اس کا وضو نہیں“

(اس کو احمد، ابوداود، ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا ہے)

اس حدیث کو امام ابن القیم نے صحیح قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر اس حدیث کی روایات کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں: متعدد طرق اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ حدیث درست اور صحیح ہے، اور حضرت ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں: یہ بات ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا ہے۔

شیخ عبداللہ بن جبرین حفظہ اللہ کتاب ''منار السبیل'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بیت الخلاء میں بسم اللہ کہنے کا جہاں تک تعلق ہے تو بعض علماء کی رائے میں بیت الخلاء میں اللہ کا نام لینا مکروہ ہے اور وضو کے لئے بسم اللہ کہنا واجب ہے، تو واجب بہر حال مکروہ پر مقدم کیا جائے گا۔

(۱۱) **گردن کا مسح کرنا:** حضرت امام ابن القیم رحمہ اللہ ''زاد المعاد'' میں لکھتے ہیں: گردن کے مسح کے حوالے سے کوئی بھی حدیث صحیح نہیں۔ (زاد المعاد: ۱/۱۹۵)

(۱۲) **بعض لوگ یہ عقیدہ بنائے بیٹھے ہیں کہ ہر وضو سے پہلے شرمگاہ دھونا ضروری ہے،** پیشاب یا پاخانہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

صحیح بات یہ ہے کہ جو شخص نیند سے بیدار ہو یا اس سے ہوا خارج ہو جائے تو

وہ صرف وضو کر کے نماز ادا کر لے، یہاں استنجاء وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں اور جو شخص خواہ مخواہ استنجاء کا قائل ہے وہ بدعت کرتا ہے اور وسوسہ کا شکار ہے۔ ہاں اگر کوئی قضائے حاجت کے لئے جاتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ پیشاب یا پاخانہ کی جگہ کو دھوئے اور وہاں لگی گندگی صاف کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں سو رہا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں موجود تھے، رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور وہاں لٹکے ہوئے ایک مشکیزے سے ہلکا سا وضو کیا۔ (اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے اور اس میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ آپ نے استنجاء کیا)

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے وضو کرتے تھے؟ عبداللہ بن زید نے جواب دیا: ہاں۔ پس آپ نے پانی منگوایا اور اپنے ہاتھوں پر ڈالا اور دو بار ہاتھ دھوئے، پھر ...... اس حدیث میں بھی اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ انہوں نے استنجاء سے ابتداء کی ہو۔

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پیشاب یا پاخانے یا اس طرح کی کسی دوسری چیز کے نکلنے کی وجہ سے استنجاء یعنی پانی یا ڈھیلے کا استعمال وضو سے پہلے واجب ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ (کتاب الدعوۃ، الفتاویٰ:۲۹)

(۱۳) وضو ہی سے متعلق ایک اور اہم غلطی یہ ہے کہ اکثر لوگ کہنیوں تک ہاتھ نہیں دھوتے۔ جب مسلمان وضو کرنا شروع کرتا ہے تو سب سے پہلے بسم اللہ کہتا ہے، پھر اپنے ہاتھ کلائیوں تک دھوتا ہے، پھر کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی ڈالتا ہے، پھر اپنا چہرہ دھوتا ہے، پھر اپنے ہاتھ کہنیوں سمیت دھوتا ہے، یہاں غلطی سرزد ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ اکثر لوگ کلائی کے پیچھے سے ہاتھ دھونا شروع کرتے ہیں اور کہنی کے آخر تک دھو ڈالتے ہیں، یہ طریقہ صحیح نہیں کیونکہ وضو میں واجب یہ ہے کہ ہاتھ ایک بار پھر انگلیوں کے پوروں سے لے کر کہنی سمیت دھویا جائے۔

شیخ عبداللہ جبرین نے بھی اس بارے میں عوام الناس کو متنبہ کیا ہے، نیز علامہ محمد عثیمین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا تھا: میں آپ حضرات کو اُس غلطی کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس میں وضو کے دوران بے شمار لوگ مبتلا ہوتے ہیں، وہ یہ کہ جب کوئی آدمی چہرہ دھونے

کے بعد ہاتھ دھوتا ہے تو وہ کلائی کے پیچھے سے کہنی تک دھونے پر ہی اکتفا کرتا ہے اور ہتھیلیوں کو چھوڑ دیتا ہے، یہ بڑی غلطی ہے کیونکہ ہاتھ جس کا لفظ قرآن وحدیث میں استعمال ہوا ہے، چہرے کے بعد پورے ہاتھ کے دھونے کا نام ہے، یعنی ہاتھ کو انگلیوں کے اگلے سرے سے لیکر کہنیوں سمیت دھونا لازمی ہے، جو ہاتھ شروع میں دھوئے تھے وہ کافی نہیں ہے، آپ پر ضروری ہے کہ اپنا چہرہ دھونے کے بعد اپنے ہاتھوں کو انگلیوں سمیت کہنیوں تک دھوئیے۔

اسی طرح بعض لوگ سردی کے موسم میں ایک سے زیادہ کپڑے پہنے ہوتے ہیں، جب اپنے ہاتھ ننگے کرتے ہیں تو کہنیاں ننگی نہیں ہوتیں اور خشک رہ جاتی ہیں، یہ بہت بڑی غلطی ہے، یہ لازم ہے کہ کپڑے کہنیوں سے پیچھے کئے جائیں پھر کہنیوں کے پیچھے تک کا حصہ دھویا جائے تا کہ کہنیاں بھی وضو کے دوران گیلی ہو جائیں۔ (رسالہ طہارت از: محمد بن عثیمین)

(۱۴) **بعض لوگ جب غسل جنابت کرتے ہیں** (خاص طور پر موٹے جسم والے آدمی) تو جسم پر پانی ڈالتے ہوئے اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ آیا پانی سارے جسم تک پہنچا بھی ہے یا نہیں، خاص طور پر ایسے حصے جہاں گوشت

جڑا ہوا ہوتا ہے، مثلاً ران اور پیٹ کے درمیان سینے کا نچلا حصہ، بغلوں کے اطراف، اگر ایسی جگہوں پر پانی نہ پہنچایا جائے تو غسل صحیح نہ ہوگا۔

⑮ جسم کے ایسے حصوں کا ذکر جہاں تک عام طور پر غسل اور وضو کے دوران پانی نہیں پہنچتا اور لوگ تسلسل کے ساتھ یہ غلطی کرتے رہتے ہیں۔

پاؤں کی انگلیوں کا خلال: بعض لوگ وضو کرتے ہوئے اپنے پاؤں پر پانی تو ڈالتے ہیں لیکن انگلیوں کا خلال نہیں کرتے اور پانی انگلیوں کے درمیان نہیں پہنچتا، اس طرح انسان کا وضو ناقص ہوتا ہے، پھر نماز بھی ناقص ہی ہوتی ہے، اسی کی اہمیت کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"وضو مکمل اور پورا کرو اور انگلیوں کے درمیان خلال کرو"[1]

امام صنعانی فرماتے ہیں: ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے بارے میں یہ حدیث ظاہر ہے، پھر فرمایا: اس حدیث میں مکمل اور پورا وضو کرنے کا حکم ہے

---

(۱) اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسے ابوداود، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

جو واجب کا درجہ رکھتا ہے، یعنی مکمل وضو ہو، تمام اعضاء کا حق ادا کیا جائے چاہے وہ انگلیوں کے درمیان کی جگہ ہو یا دوسرے حصے ہوں۔

(۱۶) اسی طرح گھڑی اور انگوٹھی کے نیچے جسم کا جو حصہ ہوتا ہے، بعض اوقات لاپرواہی سے خشک رہ جاتا ہے اور وضو میں خلل ہو جاتا ہے، اگر گھڑی یا انگوٹھی زیادہ تنگ ہو تو اسے اتار دینا چاہیئے اور اگر ڈھیلی ہو تو اس کو ادھر اُدھر ہلا کر پانی سارے عضو تک پہنچانا چاہیئے تاکہ شک باقی نہ رہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جب وضو کرتے تو انگوٹھی کی جگہ کو بھی دھوتے تھے۔

(۱۷) رنگ کا کام کرنے والے حضرات کے ہاتھ پاؤں میں بعض اوقات ایسا پینٹ لگ جاتا ہے جس کی موجودگی میں پانی جلد تک نہیں پہنچتا، ایسی صورت میں نماز کے وقت سے پہلے پہلے ہی چمڑی کو صاف کر لینا چاہیئے تاکہ وضو ناقص نہ ہو، اس رنگ کو مناسب ایسڈ یا پٹرول وغیرہ سے صاف کیا جا سکتا ہے۔

(۱۸) بعض عورتیں ایسی موٹی اور گاڑھی ناخن پالش استعمال کرتی ہیں کہ

ناخن پر اس کی تہہ جم جاتی ہے، جہاں پانی پہنچنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اس لئے اس قسم کی عورتوں کے لئے لازمی ہے کہ وضو سے پہلے اس پالش کو کھرچ لیں ورنہ وضو نہ ہوگا اور نہ ہی نماز ہوگی۔

⑲ **بعض اوقات دیکھنے میں آتا ہے** کہ لوگ حرمین شریفین اور بڑی بڑی مسجدوں میں جہاں بھیڑ زیادہ ہوتی ہے اگر وضو ٹوٹ جائے تو نماز کے دوران اُدھر ہی صف پر ہاتھ مار کر تیمّم کر لیتے ہیں اور اپنی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں یا پھر شدید جاڑے کے موسم میں یا نماز کھڑی ہونے والی ہوتی ہے تو کسی کا وضو ٹوٹ جاتا ہے تو وہ بجائے وضو خانے کی طرف جانے کے وہیں صف پر ہاتھ مار کر تیمّم کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ تیمّم کر کے نماز پڑھ لینا اس سے بہتر ہے کہ نماز چھوڑ کر وضو کے لئے دور جایا جائے یا پھر سردی میں وضو سے بہتر ہے تیمّم سے ہی گزارا کر لیا جائے۔

یہ سب کچھ جہالت کی بنا پر ہو یا حسن نیت اور اخلاص کی وجہ سے، بہر حال ٹھیک نہیں ہے۔

اس لئے کہ جو شخص پانی کی موجودگی میں تیمّم کر کے نماز پڑھے تو اس کی

نماز سرے سے ہوگی ہی نہیں، یہ ناجائز فعل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی رخصت پانی کی عدم دستیابی کے وقت دی ہے، یا پھر ایسا عذر ہو کہ پانی استعمال کرنا جان کے لئے نقصان دہ ہو، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓاْ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَوٰةِ فَاغْسِلُواْ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُواْ بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُواْ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْجَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَآئِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُواْ مَآءً فَتَيَمَّمُواْ صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُواْ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ﴾ (المائدۃ:٦)

"اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو، اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرلو، ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت

ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی
نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمّم کر لو، اسے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مل لو"
اس آیت مبارکہ میں اس بات کی واضح دلیل موجود ہے کہ پانی کی موجودگی میں تیمّم جائز نہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اگر آدمی سفر میں پانی نہ پائے تو تیمّم کر لے اور نماز ادا کرے، اور جب اسے پانی مل جائے تو پھر پانی ہی استعمال کرے۔ (فتاویٰ:۲۱)

⑳ بعض لوگ فجر یا جمعہ کی نماز (یا پھر کسی بھی نماز) کے لئے آتے ہیں اور سو جاتے ہیں جب اقامت ہوتی ہے تو اُٹھ کر نماز ادا کر لیتے ہیں، اس نیند کے بارے میں انہیں کوئی فکر نہیں ہوتی، گویا نیند سے وضو ٹوٹتا ہی نہیں۔ اس سونے والے بے چارے کو خبر تک نہیں ہوتی کہ نیند سے بھی وضو ٹوٹ سکتا ہے اور پھر وہ بغیر وضو کے نماز ادا کر لیتا ہے جو درست نہیں ہو سکتی۔ اس حوالے سے شیخ عبداللہ بن باز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا، وہ سوال ہم یہاں عمومی فائدے کے لئے نقل کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے پڑھنے والے کے لئے مسئلہ واضح ہو سکے۔

علامہ ابن باز رحمہ اللہ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جو مسجد حرام میں (مثال کے طور پر) ظہر یا عصر کی نماز سے پہلے سو جاتے ہیں، پھر جب انہیں جگانے والا جگاتا ہے تو وہیں سے اٹھ کر نماز میں شامل ہو جاتے ہیں، اسی طرح بعض عورتیں بھی سو کر اٹھتی ہیں اور بغیر وضو ہی جماعت میں شامل ہو جاتی ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں شریعتِ اسلامیہ میں کیا حکم ہے؟

شیخ نے فرمایا: ایسی نیند جو گہری ہو اور انسان کا شعور باقی نہ رہے وضو توڑ دیتی ہے، حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اگر ہم سفر پر ہوں تو تین دن اور تین راتیں جرابوں (موزوں) پر مسح کرلیں سوائے جنابت کے، لیکن پیشاب پاخانے اور نیند سے وضو ٹوٹے تو جرابیں نہ اتاریں۔ (اس حدیث کو نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے، یہ الفاظ ترمذی کے ہیں اور ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آنکھ سرین کا بندھن ہے، پس جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو بندھن کھل جاتا ہے''

(اس حدیث کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث حسن درجہ کی ہے)

خوب جان لیجئے کہ کوئی بھی مرد یا عورت مسجد حرام میں یا کسی اور مسجد میں سو جائے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس کے لئے وضو کرنا ضروری ہے، اگر اس نے اسی حال میں نماز ادا کی تو نماز صحیح نہ ہوگی، شرعی وضو یہ ہے کہ انسان کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے ساتھ ساتھ منہ دھوئے اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوئے، کانوں سمیت سر کا مسح کرے اور ٹخنوں سمیت پاؤں دھوئے، اور نیند، ریح، عضو مخصوص کو چھونے یا اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد استنجاء کی ضرورت نہیں، استنجاء یا استجمار صرف پیشاب پاخانہ یا سبیلین سے کوئی اور چیز نکلنے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے ورنہ نہیں۔

لیکن اونگھ سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ اونگھ کی وجہ سے انسان کا شعور ختم نہیں ہوتا (بلکہ سنتا اور محسوس کرتا ہے) اس بارے میں جو بھی احادیث آئی ہیں ان کا یہی مطلب نکلتا ہے، اللہ ہی راہ ہدایت کی توفیق دینے والا ہے۔

(۲۱) وضو کے بعد کوئی بھی عبادت کئے بغیر خواہ مخواہ دوبارہ وضو کرنا بھی خلاف سنت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

......اس بارے میں تو فقہاء نے کلام کیا ہے کہ آیا ایک وضو کے ساتھ ایک نماز ادا کر لینے کے بعد دوسری نماز کے لئے تجدید وضو مستحب ہے یا نہیں؟ لیکن جس شخص نے وضو کیا اور کوئی نماز ادا نہ کی تو اسے خواہ مخواہ دوبارہ وضو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ مستحب نہیں بلکہ بدعت ہے، جو سنت نبوی کے خلاف فعل ہے اور دور نبوی سے لیکر عصر حاضر کے مسلمانوں کے طریقہ کے خلاف ہے۔

(۲۲) بعض لوگ بیویوں سے ہمبستری کے بعد اس وقت تک نہ تو خود غسل کرتے ہیں اور نہ بیویوں کو غسل کرنے کا حکم دیتے ہیں جب تک کہ انزال ہو نہ جائے۔

یہ ایسا مسئلہ ہے جس نے بہت سے لوگوں کو فتنہ میں ڈالا ہوا ہے، اللہ کے فضل وکرم سے ہم اس بارے میں آپ کے سامنے وضاحت رکھتے ہیں۔

پہلے یہی قانون تھا کہ میاں بیوی اس وقت تک غسل نہ کریں جب تک کہ انزال نہ ہو جائے اور اس کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جسے مسلم نے روایت کیا ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الماء من الماء)) ''پانی سے پانی لازم آتا ہے''

حضرت صنعانی اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ انزال کے بعد غسل لازم آتا ہے، یعنی پہلے پانی سے مراد حقیقی پانی ہے اور دوسرے پانی سے مراد منی ہے۔ لیکن یہ حدیث منسوخ ہے اس کے بعد دوسری حدیث جس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے ناسخ ہے، فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب مرد اپنی بیوی کے چاروں حصوں کے درمیان بیٹھ جائے، پھر حرکت بھی کرے تو غسل واجب ہو جاتا ہے'' (متفق علیہ)

مسلم شریف میں ہے کہ ''اگر چہ انزال نہ بھی ہو''

ابوداود میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: ''اور ختنہ (کی جگہ) کے ساتھ ختنہ (کی جگہ) چپک جائے''

اس حدیث سے جمہور اہل علم استدلال کرتے ہیں کہ یہ پانی والی حدیث کو منسوخ کرتی ہے اور پھر یہ فرمان نبوی زمانے کے لحاظ سے بعد میں ارشاد ہوا ہے، زہری نے حضرت ابی بن کعب کی یہ روایت اسی حوالے سے نقل کی ہے، جس میں واضح دلیل ملتی ہے کہ دوسری حدیث بعد میں وارد ہوئی۔ امام احمد نے اس کو روایت کیا ہے، ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ پانی والی حدیث سے فتویٰ لیتے تھے کہ انزال سے غسل واجب ہوتا ہے، وہ رخصت تھی اسلام کے ابتدائی دور میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رخصت دی تھی، پھر غسل کا حکم آ گیا۔ یہ حدیث ابن خزیمہ اور ابن حبان کے نزدیک صحیح ہے اور اسماعیلی کہتے ہیں کہ بخاری نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور یہ درحقیقت (الماء من الماء) والی حدیث کے لئے ناسخ ہے اور ناسخ ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث منطوق ہے اور حضرت ابو سعید کی روایت کردہ حدیث مفہوم اور منطوق مفہوم کے مقابلہ میں زیادہ قابل عمل ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ آیت قرآنی بھی منطوق حدیث جو مجرد دخول پر غسل واجب ہونے کی دلیل ہے کو تقویت دیتی ہے، باری تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾
''اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرلو''

امام شافعی فرماتے ہیں کہ عربوں کی اصل زبان میں جنابت کا مطلب جماع ہی ہے، چاہے اس میں انزال ہو یا نہ ہو، اور فرماتے ہیں: جس کے بارے میں کہا جاتا کہ فلاں شخص فلاں عورت سے جنبی ہوگیا ہے تو یہی سمجھا جاتا کہ اس نے اس کے ساتھ جماع کیا ہے اگرچہ انزال نہ ہو، مزید فرماتے ہیں کہ شریعت اسلامی میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ جس زنا کی سزا کوڑوں کی شکل میں ہوتی ہے وہ جماع ہی ہوتا ہے، اس سزا میں انزال کی شرط نہیں ہوتی، لہٰذا کتاب وسنت دونوں مجرد دخول کی صورت میں غسل واجب ہونے کے لئے دلیل ہیں۔ (ماخوذ از سبل السلام)

پس جو بھی اپنی بیوی سے مباشرت کرے اور عضو میں عضو داخل ہو جائے تو اس پر غسل واجب ہوگا، اگرچہ انزال نہ ہو اور اگر اس نے بغیر غسل کئے نماز ادا کی تو اس کی نماز باطل ہوگی، کیونکہ اس نے جنابت کی حالت میں نماز ادا کی۔

(۲۳) بعض لوگ غسل جنابت کے بعد کپڑے پہننے سے پہلے اپنے عضو

مخصوص کو چھو لیتے ہیں، اس بات کا خیال ہی نہیں رکھتے کہ ان کا وضو ٹوٹ چکا ہے، اسی طرح نماز پڑھ لیتے ہیں، عضو مخصوص کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس کی دلیل حضرت بسرۃ بنت صفوان رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے اپنے عضو مخصوص کو چھولیا وہ وضو کرے'' (مالک، احمد، اہل سنن، حاکم)

اس لئے ہم اس شخص سے گزارش کرتے ہیں جو غسل کر رہا ہو کہ اپنے ہاتھ کو عضو مخصوص سے بچائے رکھے تا کہ وضو نہ ٹوٹے، ہاں اگر چھولیا تو دوبارہ وضو کر لے۔

(۲۴) یہ اعتقاد رکھنا کہ وضو میں تین تین بار ہر عضو کا دھونا ضروری ہے، بصورت دیگر وضو درست نہیں ہوگا۔

یہ بات بالکل شریعت کے خلاف ہے، امام بخاری نے تو اپنی کتاب میں ایک باب کا نام ہی ''ایک ایک بار اعضاء دھو کر وضو کرنے کا باب'' رکھا ہے، یعنی ایسی احادیث جن میں ایک ایک بار ہر عضو دھونے کا ذکر ہے۔ دوسری جگہ ایسی حدیثیں جمع کی ہیں جن میں دو دو مرتبہ دھونے کا ذکر ہے اور

تیسرے باب کا نام ''ایسا وضو جس میں ہر عضو کو تین تین بار دھویا جائے'' رکھا ہے۔ پہلے باب میں امام بخاری نے دلیل کے طور پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے وقت اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا۔

دوسرے باب میں جو حدیث ذکر کی ہے، اسے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو بار اعضاء وضو کو دھویا۔

اور تیسرے باب میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے، کہتے ہیں: بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین مرتبہ اعضاء دھو کر وضو مکمل کیا۔

مندرجہ بالا احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ، دو مرتبہ اور تین مرتبہ اعضاء دھونے سے وضو بالکل ٹھیک ہوتا ہے، یہ شرط نہیں کہ صرف تین ہی مرتبہ دھونا ضروری ہے۔

(۲۵) تین بار سے زیادہ اعضاء وضو کا دھونا: یہ بھی خلاف شرع فعل ہے،

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جتنا زیادہ اعضائے وضو کو دھویا جائے گا اتنا ہی ثواب زیادہ ہوگا، حالانکہ یہ شیطانی وسوسہ ہے، کیونکہ کوئی بھی عمل جس کے لئے کوئی شرعی دلیل نہ ہو وہ مردود ہے، (اور وضو تو عبادت میں شامل ہے اور عبادت میں کمی یا زیادتی دلیل کے بغیر جائز نہیں) فرمان نبوی ہے:

''جو کوئی ہمارے دین میں کوئی نئی چیز کا اضافہ کرے جس کا دین سے تعلق نہیں، تو وہ مردود ہے'' (متفق علیہ)

اور صحیح مسلم کی روایت ہے:

''جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا عمل نہیں ہے، تو وہ مردود ہے''

(۲۶) **آب زمزم سے وضو نہ کرنا یا اس میں حرج سمجھنا بھی خلاف شرع** عمل ہے، اسی طرح آب زمزم سے وضو کے مقابلہ تیمّم کو بہتر سمجھنا بھی غلط ہے، زمزم کی فضیلت میں وارد حدیثوں کے پیش نظر بعض لوگ اس غلط فہمی میں اس حد تک مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اس کو ہاتھ لگاتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں، اتنے بابرکت پانی کی موجودگی میں تیمّم کے ساتھ نماز ادا کرنا تو بدقسمتی کے ساتھ ساتھ دلائل صریحہ کی خلاف ورزی بھی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُواْ مَآءً فَتَيَمَّمُواْ صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ (سورۃ المائدۃ:٦)

''اگر تمہیں پانی میسر نہ آئے تو پاک مٹی کے ساتھ تیمّم کرلیا کرو''

اس آیت میں حق باری تعالیٰ نے تیمّم کی رخصت اسی حال میں دی ہے جب پانی میسر نہ ہو اور پانی کا استعمال نقصان دہ ہو، اور اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ آب زمزم سے وضو نہ کرو۔

حضرت عبداللہ بن امام احمد نے ''زوائد المسند'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث ذکر کی ہے، جس میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے حوالے سے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف افاضہ کرنے کے بعد آب زمزم کا ایک ڈول منگوایا، اس میں سے پانی پیا اور وضو بھی کیا۔

امام ساعاتی فرماتے ہیں: مذکورہ بالا حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ زمزم کا پانی پینا اور اس سے وضو کرنا مستحب ہے۔ (فتح ربانی: ۸٦/١١)

علامہ عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ سے آب زمزم کے بارے میں سوال کیا

گیا کہ اس کی فضیلت واہمیت کیا ہے، اوراس کے استعمال کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے درج ذیل فتویٰ دیا۔

آب زمزم سے وضو، استنجاء اور غسل جنابت کرنا جائز اور درست ہے، جب اس کی ضرورت محسوس ہو۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ پھوٹا تو صحابہ نے اس پانی سے اپنی ضروریات پوری کیں، اس پانی سے انہوں نے استنجاء کیا، وضو کیا، اپنے کپڑے دھوئے اور نوش فرمایا، اور آب زمزم اگر چہ آپ کی انگلیوں سے پھوٹنے والے پانی کی طرح تو نہیں، لیکن ان دونوں میں کوئی خاص فرق بھی نہیں، دونوں بابرکت اور پاک پانی ہیں، تو اگر انگلیوں سے نکلنے والے پانی سے وضو، غسل، استنجاء اور کپڑے دھونا درست ہے تو پھر آب زمزم سے کیونکر نا جائز ہے۔

بہر حال آب زمزم طیب اور پاک پانی ہے، اسے پینا مستحب ہے اور اگر ضرورت پڑے تو اس پانی سے وضو، استنجاء یا غسل کرنے یا کپڑے دھونے میں بھی کوئی حرج نہیں، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔(۱)

---

(۱) از کتاب فتاویٰ برائے احکام حج، عمرہ اور زیارت، ص: ۱۲۲، ۱۲۳۔

(۲۷) بعض خواتین ماہواری ختم ہونے کے بعد غسل کرنے میں تاخیر کرتی ہیں جو شرعاً غلط ہے۔

علامہ محمد عثیمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

......بعض خواتین نماز کے وقت کے دوران حیض سے پاک تو ہو جاتی ہیں لیکن غسل میں اس لئے تاخیر کرتی ہیں کہ مکمل طور پر پاکی حاصل کریں، یہ کوئی حجت یا عذر نہیں ہے، ایسی خاتون کو چاہئے کہ کم ازکم جو غسل اس پر واجب ہے وہ کر کے موجودہ وقت کی نماز ادا کرلے، پھر مناسب وقت پانے پر کامل پاکیزگی حاصل کرے۔ (۱)

(۲۸) بیت الخلاء کی چھتوں پر نماز ادا کرنے میں بعض لوگ حرج یا مضائقہ محسوس کرتے ہیں، جبکہ اس بارے میں حضرت علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا: اگر نماز پڑھنے کی جگہ صاف ہو تو گٹروں یا سیورتج کی چھتوں پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ علماء کرام کی رائے اس بارے میں یہی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) رسالۃ فی الدماء الطبیعیۃ للنساء، ص:۴۱۔

''میرے لئے ساری زمین کو مسجد اور پاکیزہ بنایا گیا ہے''
(متفق علیہ)(۱)

(۲۹) بعض لوگ غسل کرنے سے پہلے اپنے سر ڈھانپ لیتے ہیں، جس بنا پر پانی بال کی جڑوں میں نہیں پہنچ پاتا، بالوں کو اس ڈر سے ڈھانپنا کہ پانی بالوں کی مانگ ختم کردے گا یا جو خضاب وغیرہ یا تیل لگایا تھا وہ دھل جائے گا یا کوئی اس ڈر سے ٹوپی پہنتا ہے کہ بال گھنے ہیں اور گیلے ہوں گے تو جلدی جلدی خشک نہ ہوسکیں گے، ایسے شخص کا غسل مکمل نہیں ہوگا، کیونکہ جسم کے تمام حصوں کو بالوں سمیت غسل کرتے وقت گیلا کرنا واجب ہے، بصورت دیگر غسل ناقص ہوگا۔

(۳۰) بعض خواتین جس نماز کے وقت حیض سے پاک ہوتی ہیں، اس وقت کی نماز چھوڑ دیتی ہیں اور اگلی نماز کے لئے پاک صاف ہوکر تیاری کرتی ہیں، حالانکہ جس نماز کے وقت وہ پاک ہوئی تھیں اس وقت کی نماز ان پر فرض ہوچکی تھی، یہ سب کچھ جہالت کی بنا پر ہوتا ہے۔

---

(۱) الدعوۃ ۱۶۶۲/۷-۳-۱۴۰۹ھ۔

علامہ محمد عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی خاتون اس وقت پاک ہوتی ہے جب موجودہ نماز میں ایک رکعت کے برابر وقت باقی رہتا ہوتو اس وقت کی نماز اس پر فرض ہوتی ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے غروب آفتاب سے پہلے نماز عصر کی ایک رکعت کو پالیا، گویا کہ اس نے عصر کی نماز کا وقت پالیا'' (صحیح بخاری ومسلم)

اگر کوئی خاتون نماز عصر کے وقت غروب آفتاب سے پہلے یا فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے ایک رکعت وقت کے برابر بھی پاک ہوگئی تو اس پر اس دن کی مذکورہ نماز فرض ہوجاتی ہے، چاہے وہ عصر ہو یا فجر۔ (فتاویٰ برائے خواتین، ص: ۲۵)

(۳۱) خواتین جو غلطیاں کرتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر کسی خاتون کو نماز کا وقت شروع ہونے سے کچھ دیر بعد حیض شروع ہوتا ہے تو وہ پاک ہونے کے بعد اس نماز کی قضا نہیں کرتی بلکہ سمجھتی ہے کہ وہ معافی میں داخل ہے، حالانکہ یہ غلط فہمی ہے، حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا نماز مدت حیض میں داخل نہیں بلکہ اسے قضا کرنا ضروری ہے، کیونکہ (نماز کا) کچھ وقت گزرنے کے بعد اسے حیض شروع ہوا تھا۔

علامہ محمد عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کسی کو نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد ماہواری شروع ہوئی ہو، مثلاً زوال کے نصف گھنٹہ بعد تو اس حالت میں ماہواری ختم ہونے کے بعد اسے وہ نماز قضا کرنا ہوگی، کیونکہ جب حیض شروع ہوا تھا تو اس پر وہ نماز فرض ہو چکی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء:۱۰۳)

''بیشک نماز مومنین پر وقت مقررہ پر فرض ہے'' (فتاویٰ برائے خواتین، ص:۲۵)

(۳۲) عورتوں سے متعلق ایک اور اہم مسئلہ ہے جسے حضرت ابن نحاس رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ بہت سی خواتین ایسی ہیں جو رات کو حیض سے پاک ہو جاتی ہیں یا مباشرت کرتی ہیں اور صبح طلوع آفتاب سے پہلے پہلے غسل نہیں کرتیں، اسی طرح تاخیر غسل کی وجہ سے نماز قضا ہو جاتی ہے جو حرام ہے، چونکہ نماز کو جان بوجھ کر وقت گزر جانے کے بعد قضا کر لینا تمام علماء کے نزدیک حرام ہے، اس لئے ایسی خواتین کو غسل

میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے تاکہ نماز کا وقت نہ گزرے، یہ تو کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور اس مسئلہ کا اس کو علم ہے، اور اس کا خاوند بھی تاخیر کی صورت میں اگر اس کی سرزنش نہیں کرتا تو وہ بھی اس گناہ میں برابر شریک ہے، اگر اس عورت کو سرے سے اس مسئلہ کا بھی علم نہیں تو وہ دوہرے گناہ کی مرتکب ہوگی، ایک جہالت اور دوسرا معصیت۔ واللہ اعلم (تنبیہ الغافلین، ص: ۳۱۰)

(۳۴) جرابوں اور موزوں پر مسح کے متعلق بعض حضرات سمجھتے ہیں کہ یہ صرف موسم سرما ہی میں جائز ہے اور یہ غلط فہمی ہے، درحقیقت مسح کا کسی زمانے، وقت یا جگہ سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو ہر موسم میں جائز ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کے حوالے سے فرمایا:

"مسافر تین دن اور تین راتیں اور مقیم ایک دن اور ایک رات مسح کرسکتا ہے" (صحیح مسلم)

مذکورہ فرمان نبوی عام ہے۔

اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: احادیث نبوی کی روشنی میں ہمارے علم کے مطابق ہر موسم

(گرمی ہو یا سردی) میں جرابوں اور موزوں پر مسح جائز ہے اور ایسی کوئی شرعی دلیل نہیں ملتی کہ جرابوں پر مسح صرف موسم سرما میں جائز ہے، ہاں البتہ جرابوں پر مسح کرنے کی کچھ شرائط ہیں، جب تک وہ پوری نہ ہوں جرابوں پر مسح جائز نہیں۔ شرائط درج ذیل ہیں:

۱- جراب پاؤں کو ٹخنوں سمیت ڈھانپے ہوئے ہو۔

۲- باوضو حالت میں پہنی گئی ہو۔

۳- وضو ٹوٹنے کے بعد پہلے مسح سے لیکر جراب پر مسح کا شرعی وقت شروع ہوتا ہے جو مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں ہیں۔ علماء کے نزدیک یہی صحیح رائے ہے۔ واللہ ولی التوفیق (الدعوۃ:۹۵۱)

(۳۴) **بعض لوگ جب کسی کو وضو کر کے آتے ہوئے دیکھتے ہیں تو کہتے** ہیں (زمزم سے) شاید ان کے یہ الفاظ دعائیہ ہوتے ہیں، جن کا مطلب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے آب زمزم نصیب فرمائے، اس سے وضو کرنے یا اسے پینے کی توفیق دے، اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ بدعت میں سے ہے،

ایسی کوئی روایت سنت سے نہیں ملتی، ہاں سنت یہ ہے کہ وضو کرنے والا وضو سے فارغ ہونے کے بعد ایسی دعا پڑھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، مثلاً: آپ نے فرمایا: تم میں سے جو کوئی بھی وضو کرے تو پورا اور مکمل وضو کرے پھر کہے:

”أشهَدُ اَنْ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَـهُ، وَأَشهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُه“

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ واحد ولاشریک کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں“

تو اس شخص کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے، جس دروازے سے چاہے گا داخل ہوگا۔ (صحیح مسلم، ابوداود)

ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:

”اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِن التَّوَّابِيْنَ واجْعَلْنِي مِن المتَطَهِّرِينَ“

''اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا اور پاکیزہ لوگوں میں سے بنا''
اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے وضو کیا اور اس کے بعد یہ دعا پڑھی:

''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أشهَدُ أَنْ لَا إِلٰـهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيكَ''

''اے اللہ! تیری ذات پاک ہے اور تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، میں تجھی سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں''

اس کی اس نیکی کو ایک باریک اور نرم جلد پر لکھا جائے گا، پھر اسے سر بمہر کر دیا جائے گا اور قیامت کے روز تک اس کی سیل نہیں کھولی جائے گی۔ (نسائی، ابن سنی، حاکم) یعنی اس کا اجر محفوظ رہے گا۔

(۳۵) وضو کے دوران کی جانے والی غلطیوں میں سے ایک یہ ہے کہ بعض لوگ سر کے اگلے حصے کا مسح کرنے یا آدھے سر کا مسح کرنے کو کافی سمجھتے ہیں، دراصل اس طرح وضو درست نہیں ہوتا، وضو کے لئے لازمی ہے کہ پورے سر کا مسح کیا جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾ (المائدۃ:٦)

''اور اپنے سروں کا مسح کرو'' (یہاں پورا سر مراد ہے)

شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: درست بات یہ ہے کہ پورے سر کا مسح کیا جائے، جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ با (باء) کا معنی جزء (تبعیض) ہے تو میں کہتا ہوں عربی زبان میں باء کا یہ معنی نہیں ہوتا بلکہ باء کا معنی ساتھ (الصاق) کے ہوتا ہے اور پھر سنت رسول اس آیت کی تشریح کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے سر کا مسح کرتے تھے۔ [1]

(۳۶) **وسوسہ اندازی:** بعض لوگ طہارت اور وضو میں شیطان کے وسوسوں میں اس حد تک آ جاتے ہیں کہ خواہ مخواہ اپنے وضو یا استنجاء میں شک کرنے لگتے ہیں، ویسے تو شک کرنے والوں کے لئے کوئی بھی جگہ وجہ شک بن سکتی ہے لیکن ہم یہاں خاص طور پر ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جو پیشاب سے فارغ ہو کر پاکی حاصل کرتے وقت ضرورت سے زیادہ شک میں پڑ جاتے ہیں اور اس بات پر بہت سی طاقت، وقت اور پانی خرچ کر دیتے ہیں،

---

(۱) فتاویٰ شیخ محمد بن ابراہیم، ۶۲/۲۔

اور شک دور کرنے کی خاطر جان جوکھم میں ڈال دیتے ہیں، پھر بھی انہیں شک رہتا ہے کہ کہیں مزید قطرے نکل نہ آئے ہوں، اس طرح کی مشقت، مشکل اور ضرورت سے زیادہ تکلف اور تکلیف کا تعلق صرف اور صرف شیطانی وسوسوں سے ہوتا ہے، اسلام میں اس کی کوئی اہمیت نہیں، ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔

(۳۷) بعض لوگ دوران وضو یا غسل جب چہرہ دھوتے ہیں تو پورے چہرے پر پانی نہیں ڈالتے، یعنی کانوں کے قریب والا حصہ خشک ہی رہ جاتا ہے، اس طرح وضو ناقص رہ جاتا ہے، ہر آدمی کو چاہئے کہ وضو کرتے وقت اس بات کا خیال رکھے کہ اعضاء وضو میں سے کوئی حصہ خشک نہ رہے اور پورا پورا وضو کرے۔

چہرہ سے مراد ماتھے کے اوپر بالوں کی جڑوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے داڑھی کے بالوں کے آخر تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک کا حصہ مراد ہے، یعنی داڑھی اور کانوں کے درمیان والا حصہ سمیت چہرہ دھونا واجب ہے۔ احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ دھونے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے اس میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چہرے کا کچھ حصہ دھوتے تھے، اس لئے چہرہ دھونے سے مراد مکمل چہرہ ہے۔

(۳۸) ایک اور غلطی یہ ہے کہ بعض لوگ وضو کے بعد بال کٹوانے یا ناخن تراشنے سے وضو کے ناقص ہونے یا ٹوٹ جانے کے قائل ہوتے ہیں، یا پھر اپنے وضو میں شک کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اس عمل سے وضو بالکل نہیں ٹوٹتا۔ علامہ محمد عثیمین رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں پوچھنے پر فرمایا: اگر انسان باوضو حالت میں اپنے بال کٹوائے یا ناخن ترشوائے تو اس سے وضو میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ (فتاوی فی حرم مکی، ص:۸۱)

(۳۹) بعض حضرات کو جب وضو کر لینے کے بعد اپنے جسم یا کپڑوں پر کہیں گندگی لگ جاتی ہے تو اسے صاف کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ پورا وضو ہی دھرانا ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ اس نجاست کا وضو سے کوئی تعلق نہیں، ہاں جس جگہ نجاست لگی ہو اس کا صاف کرنا ضروری ہے، وضو لوٹانے کی کوئی ضرورت نہیں، وضو ٹوٹنے کے اسباب کچھ اور ہی ہیں۔

شیخ صالح فوزان ریڈیو پروگرام ''نور علی درب'' میں سوالوں کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: جب انسان وضو کرے اور اس کے جسم یا کپڑوں کے ساتھ گندگی لگ جائے تو اس کا وضو متاثر نہیں ہوتا، اس گندگی کا تعلق

نواقض وضو سے نہیں بلکہ ضروری صرف یہ ہے کہ بدن یا کپڑوں پر لگی نجاست اور گندگی کو دھوڈالے اور اسی وضو میں نماز ادا کرلے۔

(۴۰) **بعض خواتین حالت نفاس میں** اگرچہ پاک ہو بھی جاتی ہیں پھر بھی یہ سمجھتی ہیں کہ چالیس روز تک نہ انہیں روزہ رکھنا ہے نہ نماز پڑھنی ہے، یہ بھی غلط فعل ہے، بچہ پیدا ہونے کے بعد خواہ جتنے بھی روز گزریں اگر خاتون چالیس روز سے پہلے پاک ہوجائے اور خون آنا بند ہوجائے تو اس کے لئے بالکل ضروری نہیں کہ خواہ مخواہ چالیس روز پورے کرے، بلکہ جب بھی اسے پاکی محسوس ہو غسل کرکے عبادت شروع کردے۔

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا نفاس والی خاتون کے لئے جائز ہے کہ اگر وہ چالیس دن سے قبل ہی پاک ہوجائے تو روزہ رکھنا، نماز پڑھنا یا حج کرنا شروع کردے یا چالیس دن پورے کرے؟

فرمایا: ایسی خاتون کے لئے جائز ہے کہ روزہ رکھے، نماز پڑھے، حج کرے، عمرہ کرے اور خاوند اس کے ساتھ مباشرت کرے، کیونکہ وہ پاک ہوچکی ہے، اگر وہ بیسویں روز ہی پاک ہوجائے تو اسے چاہیئے کہ پاک

صاف ہو کر روزہ رکھے، نماز پڑھے اور خاوند کے پاس جائے۔ جہاں تک حضرت عثمان بن ابو العاص سے روایت ہے کہ مکروہ ہے، تو ان کی طرف سے ایک اجتہاد ہے، جس کے بارے میں کوئی اور دلیل نہیں اور اگر ہے بھی تو مکروہ تنزیہی ہے۔

صحیح رائے یہ ہے کہ اگر چالیس روز کے اندر اندر خون آنا بند ہو جاتا ہے تو وہ پاک ہے اور اگر اسے دوبارہ خون آنا شروع ہو جائے تو یہ وہی نفاس کا خون شمار ہوگا، کیونکہ چالیس روز تک کا خون نفاس ہی ہوتا ہے، ہاں اس کی درمیانی مدت میں پڑھی گئی نماز یا روزہ یا حج درست ہوگا، اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس وقت وہ پاک تھی۔ (کتاب الدعوۃ، ص: ۴۳، ۴۴)

(۴۱) **ایک بڑی غلطی یا کوتاہی لوگ یہ کرتے ہیں** کہ اگر نماز باجماعت چھوٹنے کا خدشہ ہو اور ان پر غسل یا وضو فرض ہو تو سوچتے ہیں کہ وضو یا غسل کرتے کرتے نماز چلی جائے گی تو تیمّم کر کے نماز ادا کر لیتے ہیں، یہ کام بالکل غلط ہے، کیونکہ پانی کی موجودگی میں تیمّم جائز نہیں، اگرچہ جماعت چھوٹ ہی کیوں نہ جائے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُواْ مَآءً فَتَيَمَّمُواْ صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ (سورة المائدة:٦)

''اگر تمہیں پانی میسر نہ آئے تو پاک مٹی کے ساتھ تیمّم کرلیا کرو''

یہاں ہم اس موضوع پر دائمی کمیٹی کا فتویٰ نقل کرتے ہیں:

ایسے آدمی کے لئے واجب ہے کہ غسل کرے، وضو کرے اور پھر نماز ادا کرے، جماعت چھوٹنے کے سبب پانی چھوڑ کر تیمّم کرنے سے پاکی حاصل نہ ہوگی، جماعت چھوٹنے کے خوف سے تیمّم جائز نہیں ہوتا۔

(۴۲) **بعض لوگ نمازوں کے اوقات میں ایسے باغیچوں یا پارکوں میں** ہوتے ہیں جہاں بدبودار پانی سے گھاس وغیرہ کو سیراب کیا جاتا ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس جگہ سے بدبو آرہی ہو تو نماز ادا کرنا درست نہیں، کیونکہ نماز کے لئے جگہ کا پاک صاف ہونا شرط ہے، ہاں اگر اس جگہ پر کوئی موٹی پاک وصاف جائے نماز یا چٹائی بچھادی جائے تو اس پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۱)

---

(۱) مجلۃ الدعوۃ عدد ۱۲۷۰ فی ۱۴۱۱/۵/۲۶، ص:۱۳۔

دوسرا باب
نماز کی غلطیاں

نماز کی غلطیاں

① نماز شروع کرنے سے پہلے اونچی آواز سے مخصوص الفاظ کے ساتھ نیت کرنا، اس بارے میں تفصیل وضو کے باب کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔

② بعض لوگوں کا ثنا (دعائے استفتاح) کے دوران (ولا معبود سواك) کا اضافہ کرنا، یہ سنت کے خلاف ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی ابتداء میں جو دعا پڑھتے تھے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ''

''اے اللہ تو پاک ہے، تیری ہی تعریف ہے، تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان سب سے اونچی ہے اور تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں''

جہاں تک مذکورہ بالا الفاظ (ولا معبود سواك) ''تیرے سوا کوئی معبود نہیں'' کا تعلق ہے تو ان کا ذکر ہمیں احادیث کی کتابوں میں نہیں ملتا اور پھر ان الفاظ کا معنیٰ بھی حقیقت میں درست نہیں، کیونکہ (تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کی جاتی) یہ خود قرآن کے خلاف ہے، کیونکہ روئے زمین پر اللہ

کے سوا بہت ساری چیزوں کی عبادت کی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ﴾ (الانبیاء:۹۸)

''تم اور اللہ کے سوا جن جن کی تم عبادت کرتے ہو سب دوزخ کا ایندھن بنو گے، تم سب دوزخ میں جانے والے ہو''

مزید فرمایا:

﴿وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ﴾ (المائدۃ:۶۰)

''اوران میں سے بعض کو بندر اور سور بنادیا، اور جنہوں نے معبودان باطل کی پرستش کی''

اور فرمایا:

﴿مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم﴾ (یوسف:۴۰)

''اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کررہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں، جو تم نے اور تمہارے آباء واجداد نے خود ہی گھڑ لئے ہیں''

اس طرح کی اور بھی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ معبود تو لوگوں نے اور بھی بنائے ہوئے ہیں اگرچہ وہ غلط ہیں، اس بنا پر جملہ اس طرح ہونا چاہئے (لا معبود بحق سواك) تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ (لیکن اس طرح کہنا حدیث سے ثابت نہیں)

③ دوران نماز اونچی آواز سے قرآن پڑھنا یا ذکر واذکار کرنا بھی شریعت کے منافی ہے۔ امام بغوی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بیشک جب تم میں سے کوئی نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے رب کے ساتھ سرگوشیاں کررہا ہوتا ہے، پس اونچی آواز سے اس وقت قرآن نہ پڑھا کرو، اس طرح تم مومنوں کو تکلیف میں مبتلا کروگے"

حضرت علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے مقتدی کے باآواز بلند قراءت کرنے کے بارے میں پوچھا گیا، جبکہ اس کے اردگرد دوسرے مقتدی بھی ہوں؟ تو آپ نے جواب دیا: سنت یہ ہے کہ مقتدی اپنی آواز بالکل بلند نہ کرے چاہے وہ قراءت کررہا ہو یا ذکر واذکار یا دعا کررہا ہو، کیونکہ بلند آواز سے مقتدی کے لئے یہ افعال کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، نیز یہ دوسرے نمازیوں کے لئے باعث تشویش ہے۔ (کتاب الدعوۃ)

④ قیام کی حالت میں دیوار کے ساتھ یا ستون کے ساتھ ٹیک لگانا بھی خلاف شرع فعل ہے۔علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے اس بارے میں پوچھا گیا،تو انہوں نے فرمایا: کہ فرض نماز میں کھڑے ہونے کی استطاعت رکھنے والے کیلئے ٹیک لگا کر کھڑا ہونا بالکل جائز نہیں کیونکہ یہ رکن ہے، ہاں نفلی نماز میں ٹیک لگانا جائز ہے، کیونکہ نفل نماز بیٹھ کر بھی پڑھنی جائز ہے اور اگر کھڑے ہوکر ٹیک لگا کر نفل نماز پڑھ لی جائے تو یہ بیٹھ کر نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

⑤ دو یا تین یا اس سے زیادہ آیات کو آپس میں ملا کر پڑھتے جانا بھی خلاف سنت ہے،سنت یہ ہے کہ ایک ایک آیت علیحدہ علیحدہ پڑھی جائے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت کر کے پڑھا کرتے تھے،یعنی بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔

اسے ابوداود، ترمذی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور دارقطنی کہتے ہیں کہ اس کی سند درست ہے اور سب راوی ثقہ ہیں، امام حاکم فرماتے ہیں:

شیخین کی شرط کے مطابق بھی یہ درست ہے، اس روایت میں ذہبی نے بھی حاکم کی تائید کی ہے، ابن خزیمہ اور نووی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ''الاختیارات الفقہیہ ص، ۹۸'' میں لکھا ہے کہ ہر آیت کے آخر میں وقف کرنا سنت ہے، اگر چہ دوسری آیت اور پہلی آیت میں صفت موصوف کا تعلق ہی کیوں نہ ہو، یا کوئی بھی تعلق ہو۔

⑥ بعض لوگ امام کے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ ''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں'' کہنے پر کہتے ہیں (اِستَعَنَّا بِاللّٰهِ) ''ہم نے اللہ سے مدد چاہی'' یہ بھی خلاف سنت ہے۔ امام نووی اپنی مجموع میں لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں نے یہ وطیرہ بنالیا ہے کہ جب امام ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کہتا ہے تو پیچھے سے وہ بھی ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کہتے ہیں، یہ تو بدعت ہے، اس کا اس طرح جواباً پڑھنا بالکل ممنوع ہے۔

⑦ بعض نمازی جماعت میں ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کے بعد کہتے ہیں

آمِیْن وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ، یعنی "اے اللہ! میرے والدین اور دوسرے مسلمانوں کے حق میں یہ دعا قبول فرما لے" یہ بھی سنت نبوی کی خلاف ورزی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہا کرو، بیشک جس کا آمین کہنا فرشتوں کی آمین سے مل گیا، اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے" (صحیح بخاری)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو، بیشک جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے گئے" (صحیح بخاری)

ان حدیثوں میں صرف آمین کا لفظ کہا گیا ہے، اس کے علاوہ کسی اضافہ کا ذکر نہیں ہے۔

⑧ قیام اور جلوس میں اپنی پیٹھ سیدھی نہ رکھنا: بعض نمازیوں کو غیر مکمل قیام کی حالت میں دیکھا جاتا ہے، کبھی تو جان بوجھ کر کبڑا پن ظاہر کرتے

ہیں، کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب جھکے ہوتے ہیں، کبھی کوب نکالنے کے ساتھ ساتھ ایک ٹانگ پر وزن ڈال کر کھڑے ہو جاتے ہیں، کبھی کسی اور غیر مناسب انداز میں کھڑے ہوتے ہیں، یہ سب کچھ بلا عذر ممنوع اور خلاف شرع ہے۔

امام احمد نے مسند میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں صحیح سند کے ساتھ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ ایسے نمازی کی نماز کی طرف دیکھتا بھی نہیں، جو رکوع وسجود کے درمیان اپنی پیٹھ سیدھی نہیں رکھتے''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں غلطی کرنے والے کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

''......پھر اپنا سر اس قدر اٹھاؤ کہ تم سیدھے کھڑے ہو جاؤ، تمہاری ہر ہڈی اپنی جگہ پر واپس آ جائے''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

''اور جب اٹھو تو اپنی پیٹھ کو سیدھا کر لو اور اپنا سر اس طرح اٹھاؤ کہ تمہاری ساری ہڈیاں اپنی اپنی جوڑوں میں واپس آ جائیں''

پھر فرمایا:

''کسی کی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ وہ یہ سارا کچھ کرنہیں لیتا''

⑨ **رکوع اور سجود میں پیٹھ کو سیدھا نہ رکھنا بھی خلاف شرع فعل ہے۔** نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ کی نظر اچانک ایک ایسے آدمی پر پڑی جس نے رکوع اور سجدے میں اپنی پیٹھ سیدھی نہیں رکھی تھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا:

''اے مسلمانوں کی جماعت! بیشک اس شخص کی کوئی نماز نہیں جو رکوع وسجود میں اپنی کمر سیدھی نہیں رکھتا'' (ابن ابی شیبہ، احمد، ابن ماجہ)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

''اس وقت تک کسی آدمی کی نماز درست نہیں ہوتی، جب تک وہ رکوع اور سجدوں میں اپنی کمر سیدھی نہیں رکھتا''

(اس حدیث کو ابو عوانہ، ابو داود اور سہمی نے روایت کیا ہے اور اسے دارقطنی نے صحیح قرار دیا ہے)

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیٹھ سیدھی کس طرح کی جائے؟ امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو اپنی پیٹھ کو بالکل سیدھا کر لیتے۔ (جیسے بچھی ہوئی ہو)

ابن ماجہ، عبداللہ بن احمد اور طبرانی کی روایت کردہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں اس انداز سے کمر سیدھی رکھتے تھے کہ اگر اس پر پانی کا برتن رکھا جائے تو اسے ٹھہراؤ اور استقرار مل جائے اور وہ نہ بہہ سکے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں غلطی کرنے والے سے فرمایا:

"جب تم رکوع کرو تو اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھو اور اپنی کمر سیدھی کرو اور اپنے رکوع پر مکمل کنٹرول کرو" (اس حدیث کو امام احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے)

⑩ بعض لوگ اس حال میں مسجد میں داخل ہوتے ہیں کہ امام رکوع میں ہوتا ہے تو کھانستے ہیں تا کہ امام کو پتہ چل جائے، یا پھر یہ آیت اونچی آواز سے پڑھ لیتے ہیں تا کہ امام رکوع لمبا کر لے (إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ) یہ تو آداب مسجد کے بھی خلاف ہے اور پھر سنت نبوی کے بھی خلاف ہے،

مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ جب مسجد کی طرف نماز کے لئے آئے تو وقار وسکون سے چلے، جو نماز مل گئی پڑھ لے اور جو امام کے ساتھ نہ ملے اسے بعد میں پوری کرلے، اسلام میں یہ نئے نئے راستے نکالنا بہرحال ٹھیک نہیں، اس میں اگر کوئی بھلائی ہوتی تو ہم سے پہلے خیر القرون والے اس طرح ضرور کئے ہوتے اور پھر اس انداز سے نمازیوں کی نماز خراب ہوتی ہے، لوگوں کے خشوع وخضوع میں خلل آتا ہے جو بری بات ہے۔

(۱۱) رکوع سے اٹھنے کے بعد ربنا ولك الحمد کے بعد (والشکر) کا لفظ کہنا بھی غلط ہے، صحیح بخاری ومسلم میں احادیث آئی ہیں کہ صرف ربنا ولك الحمد اور ربنا لك الحمد کہنا سنت ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت بھی آئی ہے:

''اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ اور اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ'' لیکن ربنا ولك الحمد والشکر کسی روایت میں نہیں ہے۔

(۱۲) دوسجدوں کے درمیان انگلیوں کو حرکت دینا بھی درست نہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ آپ صرف تشہد کی حالت میں

شہادت کی انگلی کو حرکت دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قعدہ میں ہوتے تو اپنے بائیں پاؤں کو اپنی ران اور پنڈلی کے درمیان نیچے کی طرف سے نکال لیتے اور دائیں پاؤں کو بچھا لیتے، اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرتے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد میں بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور چھوٹی اور ساتھ والی انگلی بند کر لیتے، جبکہ درمیانی انگلی اور انگوٹھے کے سروں کو جوڑ کر حلقہ بناتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔

(۱۳) خلاف سنت کاموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض لوگ مسجد میں اس حال میں داخل ہوتے ہیں کہ امام سجدے میں ہوتا ہے یا قعدے میں ہوتا ہے تو پھر وہ کھڑے انتظار کرتے رہتے ہیں کہ امام کھڑا ہو تو اس کے ساتھ شامل ہونگے یا رکوع میں ہوگا تو شامل ہوں گے، یہ انتظار بالکل غلط ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب انسان مسجد میں داخل ہو اور نماز ہو رہی ہو تو امام جس حالت میں بھی ہو فوراً نیت کر کے اس کے ساتھ شامل ہو جانا چاہئے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب بھی نماز کے لئے آؤ تو وقار اور سکون کے ساتھ آؤ جو جماعت کی نماز ملے پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے بعد میں مکمل کر لو''
(صحیح بخاری)

حافظ ابن حجر اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام جس حالت میں بھی ہو اس کے ساتھ شامل ہو جانا مستحب ہے، ایک اور حدیث اس سے بھی واضح ہے، جسے ابن ابی شیبہ نے عبدالعزیز بن رفیع سے اور انہوں نے انصار کے ایک آدمی سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھے رکوع، قیام، یا سجدے میں پائے تو اسی حالت میں میرے ساتھ شامل ہو جائے جس حالت میں میں رہوں''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے آئے تو امام کو جس حالت میں بھی پائے وہ بھی اسی حالت میں ہو جائے اور جو کچھ امام کر رہا ہو وہی کرے" (ترمذی)

(۱۴) حالت سجدہ میں جسم کے ساتوں اعضاء کا زمین کے ساتھ نہ لگانا بھی خلاف سنت ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا، اور یہ کہ بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹیں، نہ ان کے ساتھ مشغول ہوں۔ وہ سات اعضاء یہ ہیں:

پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں۔

انہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا اور بالوں یا کپڑوں کو جمع کرنے اور سمیٹنے سے منع فرمایا۔

انہی سے ایک اور روایت ہے، کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اپنی ناک، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں

پاؤں کی انگلیوں کی طرف اشارہ کیا، اور یہ کہ ہم اپنے بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹیں اور نہ جمع کریں"[1] (یعنی اپنے آپ کو بالوں اور کپڑوں میں مشغول نہ کریں)

سجدے کے دوران لوگوں سے مختلف قسم کی غلطیوں کا ارتکاب ہوتا ہے، مثال کے طور پر بعض نمازی سجدہ کی حالت میں اپنے پاؤں زمین سے اٹھا لیتے ہیں یا ایک پاؤں کے اوپر دوسرا پاؤں رکھ لیتے ہیں، اس طرح کرنا خلاف سنت ہے، کیونکہ یہ سجدہ سات ہڈیوں (اعضاء) پر نہیں ہوتا، بعض لوگ اپنی ناک زیادہ بچھا کر پیشانی زمین سے تھوڑی سی اٹھا لیتے ہیں، نیز بعض نمازی خاص طور پر وہ جو عقال اور رومال وغیرہ استعمال کرتے ہیں وہ اپنی پیشانی یا ناک رومال کے کنارے پر رکھ لیتے ہیں، اس طرح ان کی ناک یا پیشانی زمین سے اٹھی رہتی ہے، یہ سب کچھ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۱۵) نماز میں کتے کی طرح بیٹھنا بھی خلاف شرع ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں

---

(۱) مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

سے منع فرمایا: اس طرح نماز پڑھنے سے جیسے مرغا دانے چگتا ہے، پاؤں اٹھا کر اس طرح بیٹھنے سے جیسے کتا بیٹھتا ہے اور اس طرح ادھر ادھر نظر دوڑانے سے، جیسے لومڑی کرتی ہے۔ (احمد، ابویعلی)

ابوعبید القاسم بن سلام اپنی کتاب ''غریب الحدیث'' میں لکھتے ہیں کہ ابو عبیدہ نے ''اقعاء'' کا مطلب بتاتے ہوئے کہا: یعنی انسان کا اپنی رانیں کھڑی کرتے ہوئے چوتڑ پر اس طرح بیٹھنا جس طرح کتا بیٹھتا ہے۔

ابوعبید القاسم کہتے ہیں کہ ابوعبیدہ نے ''اقعاء'' کا یہ مطلب ٹھیک ہی نکالا ہے، کیونکہ کتا اسی طرح بیٹھتا ہے جیسے انہوں نے کہا۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت اقعاء میں کھانا کھایا۔ اس روایت سے اقعاء کا معنی واضح ہوجاتا ہے اور کلام عرب سے بھی اس کا یہی معنی معلوم ہوتا ہے۔ (۱)

(۱۶) بعض لوگ قیام تو لمبا کرتے ہیں، لیکن اس کے مقابلے میں رکوع،

---

(۱) ابن الأثیر نے ''النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر'' میں مذکورہ بالا معنی کے علاوہ ''اقعاء'' کا ایک دوسرا معنی یہ بیان کیا ہے کہ دوسجدوں کے درمیان دونوں پاؤں کی ایڑیوں پر چوتڑ رکھ کر بیٹھنا، مگر پہلے معنی کو راجح قرار دیا ہے۔ (مترجم)

سجدہ اور دیگر ارکان انتہائی مختصر کر دیتے ہیں، یعنی قیام اور دیگر ارکان میں نمایاں فرق ہو جاتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں بڑے غور سے دیکھا تو میں نے ان کے قیام، رکوع اور رکوع میں بالکل اعتدال، دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ، سجدہ، تشہد سبھی ارکان کو تقریباً برابر وقت دیتے ہوئے پایا۔ (صحیح بخاری، مسلم)

(۱۷) تشہد اول میں بیٹھنے والے دو قسم کا عمل کرتے ہیں، جبکہ باجماعت نماز ہو رہی ہو۔ (۱) امام بیٹھا ہے اور مقتدی نے التحیات پڑھ لیا ہے تو وہ چپ رہنے کے بجائے دوبارہ التحیات پڑھنا شروع کر دیتا ہے، ایسے آدمی سے کہا جائے کہ یہ خلاف سنت فعل کر رہا ہے، التحیات دہرانا بدعت ہے اور بدعت کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

"جس نے ہمارے اس دین میں کوئی من گھڑت اضافہ کیا تو وہ مردود ہے"

(۲) دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو تشہد تو نہیں دہراتے مگر تشہد کے علاوہ دوسری دعائیں پڑھنے سے گریز کرتے ہیں اور اس میں حرج محسوس کرتے ہیں، ایسے لوگوں سے کہا جائے کہ تشہد کے علاوہ دوسری دعائیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ تشہد کے علاوہ دوسری دعائیں پڑھنا سنت سے ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم دو رکعتوں کے بعد بیٹھو تو یہ کہو:

”اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ“

”ساری حمد وثنا، نمازیں اور پاکیزہ چیزیں اللہ کے لئے ہیں، اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت نازل ہو، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ بیشک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں“

اس کے بعد تم کو جو بھی دعا پسند ہو مانگو۔ (نسائی، احمد، طبرانی کبیر)

(۱۸) دوسری رکعت کے تشہد میں بایاں پاؤں دائیں جانب باہر نکال کر نیچے بیٹھنا (تورک کرنا) اور چوتھی یا آخری رکعت میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا (جس طرح دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھا جاتا ہے) سنت

کے خلاف ہے۔ سنت یہ ہے کہ آخری رکعت کے تشہد میں نیچے بیٹھتے ہوئے بایاں پاؤں دائیں پنڈلی کے نیچے سے باہر نکالا جائے اور دوسری رکعت کے بعد یعنی قعدۂ اولیٰ میں بایاں پاؤں بچھا کر اس کے اوپر بیٹھا جائے۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آپ دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں سیدھا کھڑا رکھتے اور جب آخری رکعت کے بعد بیٹھتے تو بایاں پاؤں باہر کی طرف نکال لیتے اور دایاں کھڑا رکھتے، جبکہ مقعد (چوتڑ) زمین پر ہوتی۔ (صحیح بخاری)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام شافعی اور ان جیسی دوسری رائے رکھنے والوں کے لئے قوی دلیل ہے، جو کہتے ہیں کہ دونوں تشہدوں (اولیٰ اور ثانیہ) میں فرق ہونا چاہئے۔

حنابلہ کی کتاب ''عمدہ'' میں لکھا ہے کہ صرف اس نماز میں بایاں پاؤں باہر نکال کر چوتڑ پر بیٹھنا درست ہے، جس میں دو تشہد ہوتے ہیں ان میں سے بھی صرف دوسرے تشہد میں اس طرح بیٹھا جائے گا۔

(۱۹) تشہد میں دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں سے اشارہ کرنا بھی

خلاف شرع ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دونوں انگلیوں سے اشارہ کررہا تھا تو آپ نے فرمایا:

''ایک سے اشارہ کرو، ایک سے اشارہ کرو اور آپ اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کررہے تھے''[1]

سنت یہ ہے کہ آدمی اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دائیں ہاتھ کی مٹھی بند کرلیتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی (شہادت) انگلی کا رخ قبلے کی طرف کرتے ہوئے اشارہ کرتے، جبکہ آپ کی نظر بھی اس وقت انگلی پر ہوتی۔ (صحیح مسلم، ابن خزیمہ، ابویعلی، ابوعوانہ)

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب شہادت کی انگلی سے اشارہ کررہے ہوتے تو اس وقت آپ کا انگوٹھا بیچ والی بڑی انگلی کے اوپر

---

(۱) اس حدیث کو ابن ابی شیبہ اور نسائی نے بیان کیا ہے، حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے حاکم کی تائید کی ہے، نیز ابن ابی شیبہ کے نزدیک اس کا شاہد بھی ہے جو مزید تقویت پہنچاتا ہے۔

ہوتا اور کبھی کبھی آپ انگوٹھے اور درمیانی یعنی بڑی انگلی سے دائرہ بنا لیتے۔ (ابوداود، نسائی وابن الجارود)

⑳ جس شخص کی کوئی رکعت رہ جاتی ہے تو وہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے ہی اٹھنے کی کوشش کرتا ہے یا ایک طرف سلام کے بعد جلدی جلدی اٹھ جاتا ہے، حالانکہ یہ خلاف شرع کام ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ وہ باقی ماندہ نماز پڑھنے کیلئے امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد اٹھے۔ صحیح حدیث میں ہے:

"بیشک امام اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی مکمل اقتداء کی جائے، پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو" (صحیح بخاری، مسلم بروایت ابوہریرہ)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس شخص کی کوئی رکعت امام سے رہ جائے تو وہ اسے ادا کرنے کیلئے امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد اٹھے۔

㉑ بعض لوگ جب دور سے امام کو رکوع میں جاتے ہوئے دیکھتے ہیں تو جلدی سے آتے ہوئے رکوع میں جھک جاتے ہیں، یہاں ایک غلطی سرزد ہوتی ہے، وہ یہ کہ لوگ تکبیر تحریمہ حالت رکوع میں کہتے ہیں، حالانکہ یہ تکبیر

حالتِ قیام میں رکن ہے، تکبیر تحریمہ قیام کی حالت میں کہہ کر رکوع میں جانا چاہئے، اگر اس کے بعد رکوع میں جانے کی تکبیر نہ بھی کہیں تو نماز ہو جاتی ہے، کیونکہ تکبیر تحریمہ زیادہ ضروری ہے جو تکبیر رکوع کا بدل بھی بن جاتی ہے، لیکن تکبیر تحریمہ رکوع سے پہلے پہلے ہی کہنا ضروری ہے۔(شیخ عبداللہ جبرین)

(۲۲) رفع یدین چھوڑنا بھی خلاف سنت ہے، رفع یدین درج ذیل مواقع پر مسنون ہے:

تکبیر تحریمہ کے وقت، رکوع میں جاتے ہوئے، رکوع سے اٹھتے ہوئے، قعدۂ اولیٰ سے اٹھنے کے بعد، یہ عام نمازوں میں مسنون ہے، جبکہ نماز جنازہ کی سب تکبیروں کے ساتھ اور نماز عید کی زائد تکبیرات کے ساتھ اور نماز استسقاء میں بھی تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرنا چاہئے۔(از کلام شیخ ابن جبرین حفظہ اللہ)

(۲۳) ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے ہوئے امام سے سبقت لے جانا بھی خلاف شرع فعل ہے، اس بارے میں احادیث میں شدید وعید آئی ہے، امام بخاری نے تو اپنی کتاب میں ایک باب کا نام ہی ''امام سے پہلے سر اٹھانے کا گناہ'' رکھا ہے، پھر انہوں نے اس باب میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم میں سے وہ شخص جو امام سے پہلے سر اٹھالیتا ہے ڈرتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا ڈالے یا اس کی شکل گدھے کی طرح بنا دے"

امام منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "امام سے قبل مقتدی کے سر اٹھانے کا خطرہ اور اس سے ڈرانا" پھر انہوں نے مذکورہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد حدیث کے دوسرے الفاظ یوں نقل کئے ہیں: "کیا امام سے پہلے سر اٹھانے والا اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ اس کے سر کو کتے کے سر کی مانند کر دے"

خطابی فرماتے ہیں: اس بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ ایسے آدمی کی نماز نہیں ہوتی اور بعض کے نزدیک یہ غلط فعل تو ہے لیکن نماز ہو جائے گی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جو شخص امام سے پہلے ایسا کام کرے اس کی نماز نہیں ہوتی، جبکہ دیگر اہل علم کے نزدیک ایسے

شخص کی نماز تو ہو جائے گی مگر یہ کہ ایسا شخص دوبارہ سجدہ کرے اور اس مرتبہ امام کے سر اٹھانے کے بعد اتنی دیر سجدہ ہی میں پڑا رہے جتنی گزشتہ سجدہ میں اس نے جلد بازی کی تھی، لیکن اسے عادت نہ بنائے۔

(۲۴) بعض نمازی بھاگ کر جماعت میں شامل ہوتے ہیں، خاص طور پر جب امام رکوع کے قریب قریب ہو، یہ جلد بازی بالکل ممنوع ہے، نماز کے لئے وقار کے ساتھ چل کر جانا چاہئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''جب نماز کھڑی ہو جائے تو دوڑ کر نماز کی طرف نہ آؤ، بلکہ سکون کے ساتھ چلتے ہوئے نماز کی طرف آؤ، جو تمہیں ملے اسے ادا کرلو اور جو امام کے ساتھ نہ ملے اسے بعد میں پوری کرلو'' (صحیح بخاری، مسلم، احمد واصحاب سنن)

ابن کثیر جلد بازی (سعی) کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ دوڑنا ہے اور ایسا تیز چلنا بھی ہو سکتا ہے، جبکہ چلتے ہوئے محسوس ہو کہ وہ شخص جان بوجھ کر اپنی عام چال سے زیادہ کوشش کر کے تیز رفتاری سے کام لے رہا ہے۔

اس حدیث میں جلد بازی سے مراد ضرورت سے زیادہ تیزی ہے، اسی طرح حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے بخاری میں ذکر کیا گیا ہے، کہتے ہیں کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ رکوع میں تھے، تو انہوں نے صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کرلیا، نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ واقعہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کی اس لگن کو اور زیادہ کرے لیکن دوبارہ ایسا نہ کرنا۔

حافظ ابن حجر ''وَلا تَعُدْ'' (دوبارہ ایسا نہ کرنا) کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں، یعنی دوبارہ اتنی شدید جلد بازی سے کام نہ لینا اور صف کے بغیر رکوع نہ کر ڈالنا اور رکوع کی حالت ہی میں چلتے ہوئے صف میں اس طرح شامل بھی نہ ہونا۔ بعض دیگر احادیث میں بھی صریحاً ایسی روایات ملتی ہیں جن کا یہی معنی بنتا ہے کہ جلد بازی سے مراد یہی ہے، فرمایا: أَيُّكُمْ صَاحِبُ هَذَا النَّفَس (طبرانی) ''تم میں سے یہ اونچی اونچی سانسیں لینے والا کون ہے؟'' بلکہ صحیح بخاری میں جلد بازی کی شدید ممانعت میں واضح حدیث موجود ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم اقامت کی آواز سنو تو چل کر نماز کے لئے جاؤ اور پورے سکون اور وقار کے ساتھ چلو، جلد بازی مت کرو، جتنی نماز جماعت سے مل جائے اسے پڑھ لو اور جو جماعت سے رہ جائے اسے بعد میں پورا کرو''

(۲۵) صفوں کا سیدھا نہ کرنا بھی خلاف شرع ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم ضرور بالضرور صفیں سیدھی کیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں آپس کی مخالفت ڈال دے گا''

دوسری جگہ ارشاد نبوی ہے:

''صفیں سیدھی کرو اور ایک دوسرے کے برابر ہو جاؤ''

اور فرمایا:

''نماز میں صفیں سیدھی کر لیا کرو، بیشک صفیں سیدھی کرنا نماز کے مکمل ہونے کا سبب ہے''

مزید ارشاد گرامی ہے:

"اپنی صفیں سیدھی کرو، بیشک صفوں کا سیدھا کرنا نماز کا حصہ ہے"
(صحیح بخاری)

امام بخاری نے اپنی کتاب میں "صفیں سیدھی نہ کرنے والے کا گناہ" کے نام سے پورا باب باندھا ہے اور اس باب میں درج ذیل حدیث بیان کی ہے۔

بشیر بن یسار سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مدینہ تشریف لائے تو آپ سے کہا گیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک آپ نے ہمارے اندر کوئی فرق پایا (یا کون سی چیز کا آپ فرق محسوس کرتے ہیں)؟ تو انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس سے بڑھ کر اور کوئی خامی نظر نہیں آئی کہ تم لوگ صفیں سیدھی نہیں رکھتے۔

(۲۶) مسجدوں میں لہسن اور پیاز کھا کر آنا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص لہسن کھائے، وہ ہماری مسجد کے قریب بھی نہ آئے"

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جوکوئی لہسن کھائے، وہ مسجد میں ہمارے ساتھ شریک نہ ہو''

ایک اور روایت میں ہے:

''جو لہسن یا پیاز کھائے تو وہ ہم سے دور رہے، یا فرمایا وہ ہماری مسجد سے علیحدہ ہو جائے اور اپنے گھر ہی میں بیٹھا رہے'' (صحیح بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آدمی سے مسجد میں پیاز یا لہسن کی بو محسوس کرتے تو اسے بقیع کی طرف نکل جانے کا حکم دیتے، پس جو کوئی بھی انہیں کھائے تو پکا کر ان کی بو دور کرلے۔ (صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان دو بد بودار سبزیوں سے بچو اور ان کو کھا کر ہماری مسجدوں میں نہ آؤ، اگر تمہیں یہ کھانا ہی ہو تو انہیں آگ سے خوب پکا لیا کرو'' (یعنی بدبو ختم کرلیا کرو) (الطبرانی فی الاوسط)

بعض اہل علم سگریٹ نوشی کو بھی پیاز اور لہسن کی طرح سمجھتے ہیں، یہ اس لئے کہ پیاز اور لہسن بد بو کی وجہ سے منع ہوئے ہیں، پھر سگریٹ کی بدبو تو ان

سے بھی زیادہ ہوتی ہے، یہاں تک کہ بعض مسلمان تو پیاز اور لہسن سے اتنے تنگ نہیں ہوتے جتنے سگریٹ کی بدبو سے۔ اس مقام پر سگریٹ نوش تو کچھ زیادہ ہی مسلمانوں کو تکلیف دینے کا سبب بنتا ہے۔

حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے مسلمانوں کو ان کے راستوں میں (تکلیف دہ چیزیں ڈال کر) تکلیف پہنچائی، اس پر ان مسلمانوں کی طرف سے لعنت واجب ہوگئی'' (طبرانی، ابونعیم، ابن عدی)

پس اگر راستوں میں تکلیف دینے والا ملعون ہوسکتا ہے تو پھر مساجد میں تکلیف دینے والا اور زیادہ لعنت کا مستحق ہونا چاہیے، بنا بریں اس حالت میں جرم کی حیثیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

(۲۷) **نماز میں ادھر اُدھر جھانکنا اور دیکھنا بھی خلاف شرع ہے،** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (التفات) نماز میں ادھر اُدھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

''یہ شیطان کا جھپٹنا ہوتا ہے جو جھپٹ کر بندے کی نماز سے کچھ نہ کچھ اچک ہی لیتا ہے'' (صحیح بخاری)

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

''جب تم نماز پڑھو تو اِدھر اُدھر مت دیکھو، بیشک اللہ تعالیٰ نماز کے دوران اپنا چہرہ بندے کے چہرے کے سامنے اس وقت تک رکھے رہتا ہے جب تک کہ وہ اِدھر اُدھر نہیں ہو جاتا'' (ترمذی، حاکم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں سے منع فرمایا ہے:

''اس طرح نماز ادا کرنے سے جیسے مرغا دانے چگتا ہے، اس انداز سے نماز میں بیٹھنے سے جیسے کتا ران اٹھا کر بیٹھتا ہے اور اس طرح اِدھر اُدھر دیکھنے سے جیسے لومڑی دیکھتی ہے'' (احمد وابو یعلی بروایت ابو ہریرہ)

بلا ضرورت ادھر اُدھر دیکھنا ممنوع ہے، مگر کسی واقعی ضرورت کے تحت اِدھر اُدھر دیکھنے کے جواز میں دلائل ملتے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی فرماتے ہیں: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے ہاں ان کے درمیان صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے، اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا تو مؤذن حضرت ابو بکر صدیق رضی

اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کیا آپ نماز پڑھائیں گے، میں تکبیر کہوں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، حضرت ابوبکر نماز پڑھانے لگ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور صف میں کھڑے ہو گئے، تو لوگوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی پشت پر مارنا شروع کر دیا (یعنی تھپکی لگانے لگے) حضرت ابوبکر صدیق نماز میں ادھر ادھر بالکل متوجہ نہیں ہوتے تھے، لیکن جب لوگوں نے کچھ زیادہ ہی ہاتھوں کو مارنا شروع کیا، تو آپ نے اپنی نظر گھمائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر آ گئے، حضور نے اشارہ کیا کہ آپ ہی پڑھائیں۔

اس حدیث کے آخر میں ذکر ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے تصفیق (تھپکی لگانا) شروع کر دیا ہے، جسے نماز کے بارے میں کوئی شک لاحق ہو تو سبحان اللہ کہہ لیا کرے، جب سبحان اللہ کہا جائے تو امام متوجہ ہو، ہاں تصفیق خواتین کے لئے ہے۔ (وہ اگر امام کو متوجہ کرنا چاہیں تو ہاتھوں کو ماریں)[1]

---

(۱) تصفیق سے مراد دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو آہستہ آہستہ بائیں ہاتھ کی پشت پر مارنا ہے تاکہ امام متوجہ ہو سکے۔

حافظ ابن حجر اس حدیث سے دو مسئلے استنباط کرتے ہیں، ایک یہ کہ ضرورت کے وقت نمازی اِدھر اُدھر متوجہ ہوسکتا ہے، دوسرا یہ کہ اشارہ کے ذریعہ نمازی کو مخاطب کرنا کلام سے بہتر ہے۔

(۲۸) اتنی مختصر نماز پڑھانا کہ مقتدی امام کا ساتھ ہی نہ دے سکے، اس قدر جلدی کرنے والے امام کی نماز اعتدال کے خلاف ہے، جو بالکل غلط ہے، یعنی نماز اطمینان اور اعتدال سے پڑھنے کا حدیث میں حکم ہے، اس لئے امام کو بھی چاہئے کہ کم از کم اتنی دیر ضرور رکوع، سجدہ وغیرہ میں ٹھہرا رہے جتنی دیر مقتدی تسبیح تین بار صحیح طریقہ سے ادا کرلے اور اسے جلد بازی بھی نہ کرنی پڑے۔ (از کلام عبداللہ جبرین حفظہ اللہ)

(۲۹) قرآن مجید کا دیکھ کر پڑھنا یا امام کے پیچھے تراویح کی نماز میں قرآن پاک کھول کر دیکھتے رہنا کہ امام کیا پڑھ رہا ہے یہ سب غلط ہے، کیونکہ اگر اس بات کی ضرورت نہیں، تو پھر خواہ مخواہ یہ کام نماز میں کیوں کیا جائے، ہاں اگر اس میں کوئی فائدہ ہے، جیسے امام کے لئے بغیر غلطی کے پڑھنا ضروری ہوتا ہے، اگر اسے یاد نہیں یا کوئی لقمہ دینے والا بھی نہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (از کلام عبداللہ جبرین)

(۳۰) سجدہ میں ''تجافی'' نہ کرنا بھی خلاف شرع فعل ہے، صحیح ''تجافی'' یہ ہے کہ نمازی اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے دور اور اپنے بازوؤں کو اپنی پسلیوں سے مناسب دوری پر اس طرح رکھے کہ ساتھ والے نمازی کو تکلیف نہ ہو (یعنی بغلیں کھلی رکھے) اور بازو زمین پر نہ بچھائے بلکہ کہنیاں اوپر اٹھائے رکھے، اپنی ہتھیلیاں کندھوں کے برابر زمین پر رکھے، گھٹنوں کے برابر والی جگہ نہ رکھے، لیکن اس قدر تجافی بھی نہ کرے کہ اپنے آپ کو مشکل میں ڈال دے، نہ ہی اپنی پیٹھ (کمر) کو اس قدر سیدھا کرنے کی کوشش کرے کہ پتہ چلے پیٹ زمین کے ساتھ لگ جائے گا، یا پھر اتنا آگے ہو کر سجدہ کرے کہ اگلی صف تک سر چلا جائے، اس قدر مبالغہ کرنا بھی ٹھیک نہیں۔
(از کلام عبداللہ جبرین حفظہ اللہ)

(۳۱) نماز میں ''اسدال'' کرنا بھی خلاف شرع ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سدل سے منع کیا۔ (احمد، اصحاب سنن، حاکم)

صاحب عون المعبود فرماتے ہیں کہ خطابی نے اسدال کی تشریح کرتے ہوئے کہا: سدل سے مراد کپڑے کو اس طرح لٹکانا ہے کہ زمین کو چھونے لگے

اور نیل الاوطار میں شوکانی نے کہا: حضرت ابو عبیدہ نے ''غریب الحدیث'' میں لکھا ہے کہ سدل اسے کہتے ہیں کہ آدمی اس انداز سے کپڑا لٹکائے کہ اس کے سامنے سے اس کے دونوں سرے جڑے ہوئے نہ ہوں اور اگر جڑے ہوں تو یہ سدل نہیں ہے۔ صاحب النہایہ لکھتے ہیں: سدل سے مراد ہے کہ انسان اپنے گرد اس طرح کپڑا لپیٹ لے کہ ہاتھ بھی اس کپڑے میں چھپ جائیں اور اسی حالت میں رکوع وسجدہ کرے اور اپنے ہاتھ باہر نہ نکالے، اس میں قمیص یا دوسرے کپڑے شامل نہیں۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ نمازی چادر کا درمیانی حصہ اس انداز میں اپنے سر پر رکھے کہ اس کے دونوں سرے دائیں بائیں سے کندھوں کو چھوئے بغیر نیچے کی طرف لٹکے رہیں، جوہری کہتے ہیں: کپڑے کے سدل سے مراد اس کا لٹکانا ہے۔

مذکورہ بالا سارے معانی اس حدیث سے لئے جا سکتے ہیں، ہوسکتا ہے سدل اس طرح کا مشترکہ معنی رکھتا ہو، لہٰذا مذکورہ بالا سارے معانی مراد لینا ہی زیادہ بہتر ہے۔

(۳۲) نماز میں ہاتھوں کو لٹکائے رکھنا اور نیچے کو چھوڑے رکھنا بھی خلاف شرع ہے۔ ابھی ابھی جو حدیث گزری ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے نماز میں سدل سے منع فرمایا ہے، اس سے ہر قسم کا سدل (لٹکانا) مراد ہے جو نماز میں پیش آئے، صرف کپڑوں کے لئے خاص نہیں ہے۔

بعض لوگ بالکل ہی ہاتھ نیچے چھوڑے ہوئے کھڑے رہتے ہیں اور بعض دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے ہیں لیکن یا تو ناف کے نیچے رکھتے ہیں یا ناف کے اوپر رکھتے ہیں اور بعض لوگ سینے سے اوپر ٹھوڑی کے تھوڑا سا نیچے لے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر انہیں اپنے سینے پر رکھتے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ ہر کوئی اپنا دایاں ہاتھ نماز کی حالت میں بائیں ہاتھ پر رکھے۔ (صحیح بخاری)

پس سنت یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا جائے نہ کہ بایاں دائیں پر۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہا تھا اور اس نے اپنا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر رکھا تھا تو آپ نے اس کے ہاتھ چھڑا کر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ دیا۔ (احمد، ابوداؤد)

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہاتھوں کو جسم کے کون سے حصے پر باندھا جائے؟ اس کا جواب امام احمد اور ابوداود کی روایت کردہ حدیث ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سینے پر ہاتھ باندھتے تھے۔

(۴۳) ہاتھوں کا ناف کے اوپر یا اس کے نیچے رکھنا بھی غلط ہے، جو لوگ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں وہ امام احمد اور ابوداود کی روایت کردہ حدیث ذکر کرتے ہیں جو حضرت علی سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: سنت یہ ہے کہ ناف کے نیچے ہتھیلی پر ہتھیلی رکھ لی جائے۔ درحقیقت یہ سند کے لحاظ سے ضعیف حدیث ہے۔

(۴۴) بعض ائمہ کرام جلوس اور قیام کے وقت آواز تبدیل کرتے رہتے ہیں، یعنی جب تشہد کے لئے بیٹھتے ہیں تو نرم آواز سے تکبیر کہتے ہیں اور اگر کھڑا ہونا ہوتا ہے تو بڑے زوردار انداز سے اللہ اکبر کہتے ہیں۔ اس بارے میں امام محمد عثیمین رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو سوال پوچھا گیا، اور آپ کا جواب دونوں ہم فائدہ کے لئے ذکر کر رہے ہیں۔

سوال: کیا امام کے لئے واجب ہے کہ قعدۂ اولیٰ اور قعدۂ ثانیہ کے لئے بیٹھتے ہوئے ''اللہ اکبر'' لمبا کرے (کھینچ کر کہے)؟

جواب: امام کے لئے واجب نہیں ہے کہ نماز کی تکبیرات کو خاص انداز میں لمبا یا چھوٹا کرے، یعنی بیٹھتے ہوئے اور انداز، رکوع کے لئے اور انداز، قیام کے لئے اور انداز، اس کے واجب ہونے کا تو اہل علم کے نزدیک سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ آپ اس طرح سوال کریں کہ یہ انداز اختیار کرنا امام کے لئے مناسب ہے، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے کہ امام تکبیرات میں فرق کرے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ انداز درست نہیں ہے، میں نہیں جانتا کہ کسی سنت سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آوازیں بدل کر تکبیریں کہی ہوں، علماء کرام نے بھی اس حوالے سے کوئی رائے نہیں دی کہ آوازیں بدلی جائیں، بس اتنا ملتا ہے کہ بعض علماء نے سجدہ سے قیام کے لئے آتے ہوئے اور قیام سے سجدہ کے لئے جاتے ہوئے تکبیریں لمبی کہنے کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ ان دونوں کے درمیان فاصلہ لمبا ہوتا ہے۔

بیشک انہی مذکورہ بالا دو حالتوں میں تکبیر انتقال کا لمبا ہونا ثابت ہے۔ علماء کی رائے یہ ہے کہ قیام سے سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر سجدہ کی طرف جھکتے ہی شروع کی جائے، سجدہ میں پہنچنے تک جاری رہے، سجدہ میں پہنچتے ہی

تکبیر ختم ہو جائے، اسی طرح سجدہ سے کھڑا ہونے کے لئے بھی جتنا وقت لگتا ہے اتنی ہی تکبیر لمبی ہوگی، جہاں تک تشہد کے لئے کوئی خاص انداز میں لمبی تکبیر کہنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں میرے علم کے مطابق کسی عالم نے کوئی دلیل نہیں دی، اس لئے میرے نزدیک امام کو چاہئے کہ تکبیرات (اللہ اکبر) کہتے ہوئے کوئی خاص طریقہ استعمال نہ کرے، کیونکہ اگر وہ اس طرح کا فرق کرتا ہے تو پھر اس پر دلیل لائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جب منبر تیار کیا گیا تو آپ اس پر چڑھے اور فرمایا: میں نے یہ اس لئے بنایا ہے تا کہ تم میری اقتداء کرو اور جان سکو کہ میں کیسے نماز پڑھتا ہوں، تو اگر آپ ہر حالت کے لئے خاص انداز میں تکبیرات کہتے تو پھر منبر پر چڑھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی اور آپ کی طرز تکبیرات سے صحابہ کرام سمجھ جاتے کہ اب کس حالت کے لئے تکبیر کہی جارہی ہے۔ میرے نزدیک ایک ہی انداز میں تکبیرات کہنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ مقتدی مکمل امام کی طرف متوجہ رہتا ہے تا کہ کہیں امام بیٹھنے کی تکبیر کہے اور وہ کھڑا نہ ہو جائے، یا امام کھڑے ہونے کی تکبیر کہے تو وہ بیٹھ نہ جائے، اگر ایسا ہوگا تو لوگوں کے سامنے اسے شرمندگی بھی اٹھانی پڑے گی، اس لئے وہ بھرپور توجہ سے امام کی طرف متوجہ

رہے گا، نیز اپنی تعداد رکعات اور رکوع وسجود کا خاص خیال رکھے گا، لیکن اگر اس کا دار و مدار امام کی طرز تکبیرات پر ہو کہ امام لمبی تکبیر کہے تو بیٹھ جائے، اگر چھوٹی کہے تو کھڑا ہو جائے، اس طرح تو وہ نماز میں منتشر ذہن کے ساتھ اپنے وسوسوں میں مشغول رہے گا اور اس کی توجہ اور یکسوئی ختم ہو جائے گی، کیونکہ وہ تو امام کی تکبیرات کے لہجہ سے سمجھ رہا ہے کہ اب امام کیا کرے گا، اس طرح نماز کی اصل روح کے فوت ہونے کا زیادہ احتمال ہے۔ الغرض میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ایک انداز کی تکبیروں سے مقتدی پوری یکسوئی سے نماز میں متوجہ رہتا ہے اور اپنی رکعات کا خیال خود رکھتا ہے، نیز خیالوں اور وسوسوں سے ذہن کو منتشر ہونے سے بچاتا بھی ہے۔
(از کلام ابن عثیمین رحمہ اللہ)

(۳۵) پہلی جماعت ختم ہونے سے پہلے ہی دوسری جماعت کھڑی کر لینا خلاف شرع عمل ہے، وہ اس طرح کے بعض اوقات امام آخری تشہد میں بیٹھا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور سلام پھیرنے سے پہلے ہی اپنی نماز شروع کر لیتے ہیں۔

(۳۶) نماز تراویح کو جلد بازی کے ذریعہ خراب کرنا: یعنی جلدی جلدی

رکوع ،سجدے کرنا اور جلد بازی سے قراءت کرنا، جیسے ایک کام ہے جسے بہر حال ختم کرنا ہے اور بس۔

شیخ علامہ محمد عثیمین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے طریقہ تراویح کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

......انتہائی جلدی جلدی نماز تراویح پڑھنا جس میں تعدیل ارکان اور اطمینان جیسی شرائط کا خیال نہیں رکھا جائے، بالکل غلط ہے کیونکہ تعدیل نماز کے ارکان میں سے ہے اور اطمینان سے نماز ادا نہ کی جائے تو وہ نماز ہوتی ہی نہیں اور پھر اس انداز سے کمزور بیمار اور بوڑھے نمازی مشکل میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

علماء کے نزدیک نماز میں سنتوں کی ادائیگی میں جلد بازی کرنا مکروہ ہے، اتنی جلد بازی جس سے مقتدی سنتیں بآسانی ادا نہ کرسکیں، تو اگر واجب میں اس قدر جلدی کی جائے کہ مقتدی امام کی اتباع نہ کرسکیں تو پھر نماز کا کیا حال ہوگا؟ اللہ سے دعا ہے کہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ (۱)

---

(۱) مجالس رمضان، مجلس رابع، ص:۱۹۔

(۳۷) خلاف شرع امور میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض مقتدی (مثال کے طور پر) ظہر کی آخری دو رکعتوں میں اگر سورۃ فاتحہ پڑھ لیتے ہیں اور امام ابھی قیام میں ہی ہوتا ہے تو دوبارہ سورۃ فاتحہ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ظہر کی نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی اور سورت پڑھنا جائز نہیں۔

(۳۸) نماز میں جس جگہ جو دعا پڑھنا مشروع ہے وہ اس سے پہلے یا بعد میں پڑھنا بھی درست نہیں، اس غلطی کی وضاحت اس مثال سے کی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی آدمی سورۃ فاتحہ پڑھ رہا تھا کہ امام رکوع میں چلا گیا یا جب نمازی داخل ہوا تو امام رکوع میں جانے والا تھا، اب اس نے امام کے ساتھ رکوع میں جا کر سورۃ فاتحہ مکمل کرنا شروع کر دیا، یہ بالکل غلط ہے۔ دوسری مثال یہ کہ کوئی آدمی جب امام کے ساتھ یا اکیلا سجدہ سے اٹھتا ہے تو سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے ہی سورۃ فاتحہ پڑھنا شروع کر دیتا ہے یا پھر ربنا ولك الحمد...... پڑھ رہا ہے اور سجدہ کی طرف جھک بھی رہا ہے، بلکہ سجدہ میں پہنچ کر بھی قومہ کے اذکار پڑھتا رہتا ہے، یہ سب کچھ خلاف سنت فعل ہے۔

علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا، ہم عمومی فائدہ کے لئے وہ سوال و جواب یہاں نقل کرتے ہیں۔

سوال: شیخ صاحب! میں نے بعض مقتدیوں کو دیکھا ہے کہ سجدے سے اٹھنے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھتے ہیں تو وہیں بیٹھے بیٹھے یا سجدے سے اٹھتے اٹھتے سورۃ فاتحہ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ وہ ابھی اٹھ رہے ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کی نماز کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: مقتدی کے لئے واجب ہے کہ امام کی مکمل اتباع کرے، چاہے وہ قیام ہو، رکوع ہو یا کچھ اور، مقتدی کے لئے صحیح نہیں ہے کہ جب امام دوسری یا چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو رہا ہو تو وہ بیٹھ جائے، بلکہ اسے امام کی اتباع کرنی ہوگی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیشک امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، لہٰذا اس کی مخالفت نہ کرو''

ہاں اگر کوئی ہلکا سا بیٹھتا ہے، جسے جلسہ استراحت کہتے ہیں تو کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ اہل علم کے نزدیک امام، مقتدی اور منفرد سب کے لئے مستحب

ہے، اس بارے میں صحیح احادیث موجود ہیں، لیکن اس جلسہ میں نہ کوئی ذکر ہے نہ دعا، نہ ہی قراءت، فرض نمازوں میں کسی کے لئے بھی اس جلسہ میں سورۃ فاتحہ شروع کر دینا درست نہیں، کیونکہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کا وقت نہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے نہ ہی بیٹھتے ہوئے شروع ہوتا ہے، بلکہ یہ تو پوری طرح کھڑے ہو جانے کے بعد مشروع ہے، یہ تو فرض نمازوں کے لئے ہے، اور نفل نماز بلا عذر بھی بیٹھ کر ادا کی جاسکتی ہے، ہاں! اگر بیٹھ کر بلا عذر نفل نماز پڑھے گا تو اسے آدھا اجر ملے گا، یہی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے۔ (مجلّہ دعوۃ: ۱۱۶۵)

(۳۹) بلا ضرورت آنکھیں بند رکھتے ہوئے نماز پڑھنا: حضرت امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی گئی شریعت میں نماز کی حالت میں آنکھیں بند کرنا ثابت نہیں ہے، آپ تو تشہد کی حالت میں اپنی شہادت کی انگلی پر نظر رکھتے تھے اور دعا بھی کرتے تھے، جبکہ آپ کی نظر اس جگہ سے تجاوز نہیں کرتی تھی۔ نماز میں آنکھیں بند کرنے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے کہ آیا یہ مکروہ ہے یا نہیں؟ امام احمد وغیرہ کے

نزدیک یہ عمل مکروہ ہے، کہتے ہیں: ایسے تو یہودی کرتے ہیں، مگر علماء کی ایک جماعت اس کو جائز سمجھتی ہے ان کا کہنا ہے کہ ممکن ہے آنکھیں بند کرنے سے خشوع وخضوع میں زیادہ اضافہ ہو اور یہی خشوع تو نماز کا مقصد اور راز ہے۔

بنابریں اگر آنکھیں کھلی رکھنے سے انسان کے خشوع وخضوع میں فرق نہ آتا ہو تو یہی افضل ہے اور اگر نمازی کے سامنے بنی سنوری آراستہ وچمکتی ہوئی پھول دار دیوار ہو، جس کی زیبائش نمازی کے خشوع وخضوع میں خلل ڈال رہی ہو تو اس حالت میں آنکھیں بند کرنا بالکل مکروہ نہیں ہے بلکہ ایسی صورت میں مستحب یہ ہے کہ آنکھیں بند رکھی جائیں، کیونکہ یہ شرعی اصول ومقاصد سے زیادہ قریب ہے۔ (۱)

(۴۰) کپڑوں کا ٹخنے سے نیچے لٹکائے رکھنا تو مطلقاً حرام ہے، لیکن نماز میں یہ عمل خاص طور پر اس لئے ذکر کیا جارہا ہے کیونکہ بعض احادیث خاص طور پر نماز میں کپڑے لٹکائے رکھنے کے بارے میں آئی ہیں۔

---

(۱) زاد المعاد: ۱/۲۹۳، ۲۹۴۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے تکبر کی وجہ سے نماز میں ٹخنے سے نیچے اپنی لنگی لٹکائی وہ اسلامی حدود سے باہر ہے (یعنی اسلام کا اس سے کوئی واسطہ نہیں)''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اپنی لنگی ٹخنے سے نیچے لٹکائے ہوئے نماز ادا کر رہا تھا، تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا:

''جاؤ دوبارہ وضو کر کے آؤ، اس نے وضو کیا اور واپس آیا تو آپ نے فرمایا: پھر جاؤ وضو کرو، وہ دوبارہ گیا اور وضو کر کے آیا تو ایک آدمی نے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! کیا ماجرہ ہے، آپ نے پہلے اسے وضو کا حکم دیا اور پھر اسے چھوڑ دیا، حقیقت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: بیشک یہ آدمی لنگی ٹخنے سے نیچے لٹکائے ہوئے نماز ادا کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ لنگی لٹکا کر نماز ادا کرنے والے کی نماز قبول نہیں کرتا'' (ابوداود، باسناد صحیح علی شرط مسلم، بقول النووی)

اس حدیث کو بعض علماء نے ضعیف قرار دیا ہے، پھر بھی اس حدیث کو مذکورہ بالا دوسری حدیث تقویت پہنچاتی ہے جو اس کے مضمون سے مناسبت رکھتی ہے، بے شمار لوگ ایسے ہیں جو ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانے کے معاملہ میں احتیاط نہیں کرتے نہ ہی اس مسئلہ کو اہمیت دیتے ہیں۔

ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکائے رکھنے کے بارے میں احادیث میں بڑی سخت وعید آئی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تین آدمی ایسے ہوں گے جن کے ساتھ روز قیامت اللہ تعالیٰ نہ تو بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ ہی انہیں پاک صاف کرے گا، بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، ایک لنگی ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، دوسرا احسان جتلانے والا، جو کسی کو کوئی چیز دیتا ہے تو احسان جتلاتا رہتا ہے اور تیسرا غلط قسم کھا کھا کر سامان بیچنے والا، دوسری روایت میں ہے جھوٹی قسمیں کھا کھا کر......" (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے غرور وتکبر کی خاطر اپنی تہبند کو گھسیٹا (یعنی لٹکایا) تو اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف نظر کرم نہیں کرے گا'' (صحیح مسلم)

(۴۱) اقامت کے بعد نفل نماز پڑھنا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب فرض نماز کھڑی ہوجائے تو اس وقت صرف فرض نماز ہی ہوسکتی ہے اور کوئی نماز نہیں ہوسکتی'' (صحیح مسلم، ابوداود وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ کوئی دو رکعت نماز ادا کر رہا تھا، جبکہ نماز باجماعت شروع ہوچکی تھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ اس آدمی کو تاکنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آلصبح أربعًا، آلصبح أربعًا''؟

''کیا صبح کی فرض چار ہوتی ہیں، کیا صبح کی فرض چار ہوتی ہیں''؟[1] (صحیح بخاری ومسلم)

---

(۱) یعنی فرض نماز کے ہوتے ہوئے اس کے علاوہ کوئی نفل نماز نہیں ہوتی۔

صحیح مسلم میں ان الفاظ کا ذکر ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جو صبح کی نماز کھڑی ہونے کے بعد کوئی نماز پڑھ رہا تھا تو آپ نے اس کو کچھ کہا، جس کا ہمیں پتہ نہ چل سکا، جب نماز ختم ہوئی تو ہم نے اس آدمی کو گھیر لیا اور پوچھا کہ آپ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہا؟ اس نے بتایا، حضور فرما رہے تھے:

"یوشك أحد کم أن یصلي الصبح أربعًا"

"ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی صبح کی نماز چار رکعت پڑھنے لگے"

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں: جس نے فجر کی اقامت سن لی اور یہ بھی جانتا ہے کہ اگر وہ سنت نماز پڑھے گا تو اس کی فرض نماز رہ جائے گی، چاہے ایک تکبیر ہی چھوٹنے کا خدشہ کیوں نہ ہو، تو اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ دو رکعتیں پڑھے، اگر ایسا کیا تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

یہاں فتویٰ کی دائمی کمیٹی کے سامنے سوال رکھا گیا کہ بعض لوگ فرض نماز کھڑی ہوتے وقت اگر نفل نماز پڑھ رہے ہوں تو توڑ دیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

جواب یہ تھا: جب فرض نماز کھڑی ہو جائے تو کوئی نفل نماز شروع کرنا جائز نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب فرض نماز کی جماعت کھڑی ہو جائے تو اس وقت فرض کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہوتی'' (صحیح مسلم)

جب فرض نماز کھڑی ہو جائے اور نمازی نفل پڑھ رہا ہو تو مذکورہ بالا حدیث کے حوالے سے اسے نفل نماز توڑ دینی چاہئے کیونکہ فرض نفل سے زیادہ اہم ہے۔

(۴۲) دوسری رکعت پہلی رکعت سے زیادہ لمبی کرنا یا آخری دو رکعتیں پہلی دو رکعتوں سے زیادہ لمبی کرنا بھی خلاف سنت ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی رکعت میں لمبا قیام کرتے اور دوسری میں نسبتاً کم، اسی طرح صبح کی نماز میں بھی کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم عصر میں بھی ایسے ہی کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص

رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے فرمانے لگے: اللہ کی قسم! میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نماز پڑھاتا تھا، اس سے کم نہ کرتا تھا، عشاء کی نماز کی پہلی دو رکعتیں ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتا اور آخری دو رکعتیں مختصر کرتا۔

(۴۳) اشارہ کے ساتھ سلام کا جواب نہ دینا بھی غلط ہے۔ جب کوئی مسجد میں داخل ہو کر سلام کرے تو اسے بالکل لفظاً جواب نہیں دینا چاہئے، لیکن اشارہ سے جواب دینا سنت کے مطابق ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کو سلام کا جواب کیسے دیتے تھے، جبکہ آپ نماز میں مصروف ہوتے اور وہ آپ کو سلام کرتے؟ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: (ایسے کہتے'' اور اپنا ہاتھ پھیلا دیا'') (ابوداود، ترمذی)

صنعانی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اگر کوئی نمازی کو سلام کرے تو نمازی بولے بغیر اشارہ سے جواب دے دے۔

اشارہ کے انداز یا کیفیت کے بارے میں مسند میں حضرت صہیب رضی

اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا اور آپ حالت نماز میں تھے، میں نے سلام کیا تو آپ نے اشارہ سے جواب دیا۔

راوی کہتے ہیں میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا کہ انہوں نے کہا مجھے انگلی سے اشارہ کیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب دینے کے طریقہ کے بارے میں فرماتے ہیں: انصار کو سلام کا جواب دیتے ہوئے ایسے کہا: حضرت ابن عمر سے روایت کرنے والے جعفر بن عون نے اپنا ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا: ابن عمر نے ایسے کہا تھا، اس وقت ان کے ہاتھ کا اندرونی حصہ زمین کی طرف تھا اور پشت اوپر کی طرف تھی، اسی طرح بیہقی نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ نے سر سے اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا...... (سنن کبریٰ، بیہقی: ۲/۲۶۰)

(۴۴) امام کے پیچھے بلا ضرورت بلند آواز سے تکبیر کہنا بھی خلاف شرع

ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: امام کی تکبیر کو آگے پہنچانے کے لئے اونچی آواز سے تکبیر کہنا مستحب ہے یا بدعت؟ انہوں نے فرمایا: بلاضرورت بآواز بلند تکبیر کہنا بدعت ہے، یہ تمام ائمہ کے نزدیک غیر مستحب فعل ہے، حقیقت میں صرف امام ہی بآواز بلند تکبیر کہے گا، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کرتے رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کوئی مکبر نہیں ہوتا تھا، لیکن جب آپ بیمار ہوئے اور آواز کمزور ہوگئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ تکبیر کہتے تھے تاکہ لوگوں تک آواز پہنچ سکے۔

شیخ الاسلام نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: جب امام کی آواز تمام نمازیوں تک پہنچتی ہو، اس کے پیچھے خواہ مخواہ تکبیر بآواز بلند کہنا خلاف شرع عمل ہے، اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ بیشک بلال رضی اللہ عنہ یا کوئی اور صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی خلیفہ راشد کے پیچھے تکبیر بآواز بلند نہیں کہتے تھے۔

(۴۵) اللہ اکبر کو اذان یا نماز یا کسی بھی دوسری جگہ پر (اللہ آکبار) کہنا جائز نہیں، کیونکہ اس سے اکبر کا معنی ہی بدل جاتا ہے۔ اکبار کبر کی جمع ہے اور کبر ایک منہ والے ڈھول کو بھی کہتے ہیں، عربی میں اکبار ایک قسم کے پودے کو بھی کہا جاتا ہے۔

تکبیر کو اس طرح لمبا کرنے کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ مقتدی امام سے آگے نکل سکتا ہے، کیونکہ امام حرکت سے زیادہ لمبی آواز نکالتا ہے اور اسی اثناء میں مقتدی ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہو چکا ہوتا ہے، حالانکہ امام ابھی منتقل نہیں ہو پایا، اس طرح امام کی غلطی کی وجہ سے مقتدی اس پر سبقت لے جاتا ہے اور یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے۔

(۴۶) کندھے ننگے رکھتے ہوئے نماز پڑھنا بھی غلط ہے: عام طور پر عمرہ اور حج کرنے والوں سے یہ غلطی سرزد ہوتی ہے کہ بلا عذر صرف تہبند میں نماز پڑھتے ہیں اور اوپر اوڑھنے والی چادر سامنے زمین پر رکھ دیتے ہیں یا پھر ایک کندھا ننگا رکھتے ہوئے نماز پڑھتے ہیں، بہر حال جہاں بھی نماز پڑھی جائے کندھے ننگے رکھنا درست نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی بھی ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھوں پر کپڑا نہ ہو'' (صحیح بخاری)

حافظ ابن حجر اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ کپڑے کو درمیان سے گھنڈی نہ لگائے اور نہ ہی اپنی کوکھ میں کپڑے کے کناروں کو باندھے بلکہ اسے اپنے کندھوں سے نیچے کی طرف ڈال دے تاکہ جسم کے اوپر والے اس حصے پر بھی کپڑا پڑا رہے، جو اگرچہ ستر میں شامل تو نہیں لیکن اس طرح کرنے سے اس کے جسم کے نچلے حصے پر بھی کپڑا پڑا رہے گا اور اس سے ستر پوشی بھی ہو جائے گی۔

(۴۷) ایسے باریک کپڑوں میں نماز پڑھنا جن میں بے پردگی ہوتی ہو۔

جناب علامہ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے باریک سلکی کپڑوں میں نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا جو انتہائی باریک ہوتے ہیں کہ کیا ایسے کپڑے ستر عورت (پردہ پوشی) کی شرائط پوری کرتے ہیں، نیز ایسے کپڑے پہنے ہوئے نماز درست ہو سکتی ہے؟

آپ نے فرمایا: اگر مذکورہ کپڑے شفاف اور باریک ہونے کی وجہ سے پردہ پوشی نہ کر سکیں تو ان میں نماز پڑھنا درست نہیں، جہاں تک مرد کے لئے ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو اس کی نماز صرف ایک صورت میں

صحیح ہوسکتی ہے وہ یہ کہ ان کپڑوں کے اندر کوئی شلوار یا لنگی یا ایسا کپڑا باندھے ہو جس سے ناف سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک کا حصہ نظر نہ آئے۔ عورت کی نماز ایسے کپڑوں میں اس صورت میں صحیح ہوگی کہ ان کپڑوں کے نیچے پورے کے پورے دوسرے کپڑے بھی پہنی ہو جن سے پورا بدن ڈھکا ہوا ہو۔ مذکورہ بالا باریک کپڑوں کے نیچے انڈرویر وغیرہ پہننے سے نماز درست نہیں ہوگی اور جب مرد اس طرح کے کپڑوں میں نماز پڑھے تو اسے بنیان وغیرہ بھی پہن لینا چاہئے تاکہ کندھے بھی نظر نہ آئیں، ناف سے گھٹنوں تک تو ویسے بھی ضروری ہے کہ کپڑا ایسا ہونا چاہئے جس سے بے پردگی نہ ہو، کندھے ڈھانپنے کے بارے میں حدیث میں آتا ہے: ''تم میں سے کوئی ایسے کپڑے میں نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کچھ نہ ہو''(۱)

جناب عبداللہ بن جبرین فرماتے ہیں: بے شمار لوگ ایسے ہیں جو لمبے کپڑے نہیں پہنتے اور پتلون اور شرٹ وغیرہ پہنتے ہیں، اس طرح جب وہ

---

(۱) ماخوذ از کتاب الدعوۃ۔

رکوع کرتے ہیں تو شرٹ یا قمیص پیچھے ہٹ جاتی ہے اور پتلون یا شلوار بھی نیچے کھسک جاتی ہے، اس طرح کمر یا سرین کا کچھ حصہ ننگا ہو جاتا ہے جبکہ اس حصے کا ڈھانپنا واجب ہے، پھر پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نظر بھی اس جگہ پر پڑ جاتی ہے، بہر حال اس حصے کے ننگے ہونے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

(۴۸) دوران نماز قبلہ کی طرف یا دائیں طرف تھوکنا بھی غلط ہے: امام بخاری نے اس موضوع پر پورا باب باندھا ہے۔ باب ''نمازی اپنی بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوکے'' اس باب میں آپ نے مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مومن حالت نماز میں اپنے رب کے ساتھ سرگوشیاں کر رہا ہوتا ہے، پس اس حالت میں نہ اسے اپنے سامنے اور نہ دائیں جانب تھوکنا چاہئے بلکہ بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوکے'' (صحیح بخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی نماز میں کھڑا ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے

کیونکہ جب تک وہ نماز میں ہوتا ہے اپنے پروردگار سے ہم کلام ہوتا ہے اور نہ ہی دائیں جانب تھوکے، کیونکہ دائیں جانب فرشتہ ہوتا ہے (اگر تھوکنا ہی ہوتو) اپنی بائیں جانب تھوکے یا پھر پاؤں کے نیچے تھوکے اور اسے مٹی میں دبا دے"(۱)

(۴۹) نماز میں بالوں یا کپڑوں کا باندھنا بھی منع ہے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ کہ نہ بال باندھوں اور نہ کپڑا"

کفت عربی میں باندھنے کو کہتے ہیں، حدیث میں یہی لفظ استعمال ہوا ہے، کفت کا معنی ابن الاثیر اس طرح کرتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ ہمیں نماز کے دوران کپڑوں کو کفت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہاں

---

(۱) یہ اس زمانے کی بات ہے جب فرش نہیں ہوتا تھا، بلکہ کچی مٹی میں تھوک دبا دیا جاتا تھا اور اگر اس طرح کرنے سے بغل کے مؤمن کو تکلیف ہو تو اس سے بچنا ضروری ہے، نیز پختہ فرش اور کچی زمین میں فرق ہوتا ہے۔ (مترجم)

کفت کا معنی باندھنا، جوڑنا اور اِدھر اُدھر سے کپڑوں کو اکٹھے کر کے ایک جگہ جمع کرنا مراد ہے، یعنی رکوع اور سجدہ کی حالت میں ہاتھوں سے کپڑوں کو سمیٹ لینا منع ہے۔

۵۰ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنا یا پہلو میں ہاتھ رکھنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ کوئی پہلو میں ہاتھ رکھ کر نماز پڑھے۔ (صحیح بخاری)

انہی سے امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے کہ کوئی آدمی کمر یا پہلو میں ہاتھ رکھ کر نماز ادا کرے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ نے ابن سیرین کے ذریعے سے ''اختصار'' کا معنی یہ کیا ہے کہ آدمی دورانِ نماز اپنا ہاتھ پہلو میں یا کمر پر رکھ لے۔ ابوداود، ترمذی اور دیگر اہل علم نے بھی اس معنی کی تائید کی ہے۔

۵۱ سترہ کے بغیر نماز ادا کرنا:

اس موضوع میں بہت سی احادیث آئی ہیں، بعض قولی اور بعض فعلی۔ قولی حدیثوں میں سے ایک حدیث جسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سترہ کے بغیر نماز نہ پڑھو، اور کسی کو اپنے آگے سے مت گزرنے دو اور اگر گزرنے کی کوشش کرے تو اس سے لڑو (یعنی ہاتھ سے روکو) بیشک اس کے ساتھ شیطان ہے''[1] (ابن خزیمہ، حاکم، بیہقی)

دوسری قولی حدیث درج ذیل ہے:

حضرت سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو سترہ رکھ لے، اور اس کے قریب رہے تا کہ شیطان اس کی نماز نہ توڑ سکے''[2] (ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم)

---

(۱) حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، مگر بخاری ومسلم نے اسے اپنی کتابوں میں نہیں بیان کیا ہے، امام ذہبی نے حاکم کی تائید کی ہے۔ شیخ عبداللہ بن جبرین فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام مسلم، احمد اور ابن ماجہ نے دوسری سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(۲) حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرط کے مطابق ہے، امام ذہبی نے حاکم کی تائید کی ہے۔

عملی احادیث میں سے چند درج ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے روز عیدگاہ کی طرف نکلتے، تو ایک نیزہ ساتھ لے جانے کا حکم دیتے، اسے آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا اور آپ اس کی طرف نماز پڑھتے اور لوگ آپ کے پیچھے ہوتے تھے، آپ سفر میں بھی ایسا ہی کرتے، یہی طریقہ آپ کے امراء نے بھی اپنایا۔ (صحیح بخاری، مسلم، ابوداود)

انہی سے ایک اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری آگے کھڑی کرتے اور اس کو سترہ بنا کر نماز پڑھا کرتے۔ (صحیح بخاری، مسلم، ابوداود)

سترہ کے بعض مسائل انتہائی اہم ہیں، جن کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

سترہ کا لفظی معنی پردہ، اوٹ یا حاجز ہے، جسے انسان نماز پڑھتے ہوئے اپنے آگے رکھ لے تاکہ کوئی اس کے آگے سے نہ گزرے۔

ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ سترہ کتنا اونچا ہو؟

اس کا جواب وہ حدیث ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازی کے سترہ

کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: کجاوہ کے پچھلے حصے کی طرح ہونا چاہئے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی اپنے سامنے کجاوہ کے پچھلے حصے کے برابر کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھے، تو اس کے پیچھے سے کسی کے گزرنے میں کوئی حرج نہیں" (صحیح مسلم)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کجاوہ کے پچھلے حصے کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ کجاوہ کے آخر میں لگی لکڑی ہوتی ہے اور یہ بازو کی ہڈی کی مانند ہوتی ہے، جسے دو تہائی ہاتھ کہہ سکتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: سترہ اور نمازی کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں صحیح بخاری میں روایت ہے کہ وہ جب کعبہ شریف میں داخل ہوتے تو اپنے سامنے کی طرف چلتے جاتے اور دروازہ آپ کی پیٹھ کے پیچھے رہ جاتا، چلتے جاتے یہاں تک کہ

آپ کے درمیان اور کعبہ کی دیوار کے درمیان تقریباً تین ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا تو اس متوقع جگہ پر نماز ادا کرتے، جہاں بلال رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہاں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سترہ اور نمازی کے درمیان تین ہاتھ تک فاصلہ ہونا چاہئے۔

یہ روایت بھی ملتی ہے کہ سترہ کا فاصلہ سجدہ کی جگہ سے کتنا ہونا چاہئے؟ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے نماز اور دیوار کے درمیان اتنی جگہ ہوتی جہاں سے بکری گزر جائے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور قبلہ کے درمیان ایک بکری کے گزرنے کی جگہ ہوتی۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا لکیر بھی سترہ کا کام کرسکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سترہ کے لئے زمین سے اونچی اٹھی ہوئی چیز ہونی چاہئے، جو کام لکیر نہیں کرسکتی۔ لکیر کھینچنے سے متعلق جو روایات وارد ہیں وہ ضعیف ہیں۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ کیا خانہ کعبہ اور مسجد نبوی سترہ کے حکم سے مستثنیٰ ہیں اور وہاں نمازی کے آگے سے گزرنا جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سترہ کے بارے میں جتنی بھی احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں کسی خاص مسجد کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا، اس لئے یہ حکم ہر جگہ کے لئے عام ہے، بنا بریں خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کا بھی یہی حکم ہے، بلا کسی خاص دلیل کے ان دونوں کو مستثنیٰ قرار دینا درست نہیں ہے۔

اس مسئلہ کو اگر تفصیلاً لیا جائے تو اس کی وضاحت اس طرح ہو سکتی ہے۔

۱- سترہ سے متعلق جتنی بھی احادیث آئی ہیں وہ بلا استثناء ساری مساجد کے لئے عام ہیں۔

۲- جن احادیث میں سترہ کا حکم دیا گیا ہے وہ سب کی سب یا اکثر وبیشتر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بیان فرمائی ہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ حکم عام ہے۔

۳- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل حرمین شریفین میں سترہ بنانے کی تائید کرتا ہے، مسجد نبوی میں تو آپ نے صحابہ کو سترہ لگانے کی تاکید بھی کی ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔ مکہ مکرمہ میں بھی ایسا (عمل) ہونے کی روایت موجود ہے۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت نکلے اور وادی بطحا میں ظہر اور عصر کی نماز دو دو رکعتیں ادا کیں اور اپنے سامنے سترہ کے لئے ڈنڈا گاڑ دیا۔ (صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا، پھر مقام ابراہیم کے پیچھے جب نماز ادا کی تو آپ کے ساتھ کچھ لوگ تھے جو آپ کا سترہ بنے ہوئے تھے۔ (صحیح بخاری)

(۵۲) **نمازی کے آگے سے گزرنا:** امام منذری اپنی کتاب ''الترغیب والترہیب'' میں لکھتے ہیں: (نمازی کے آگے سے گزرنے کی وعید) اس کے بعد آپ نے نمازی کے آگے سے گزرنے والے کا گناہ اور وعید کے بارے میں چند احادیث ذکر کی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

حضرت ابوجہیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ اس کا کتنا بڑا گناہ ہے تو آگے سے گزرنے کی بجائے اس کے لئے چالیس سال یا چالیس ماہ یا چالیس روز تک (راوی کا شک) کھڑا رہنا پسند کرے''

راوی ابونضر کہتے ہیں کہ مجھے شک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال کہا۔

حضرت صالح سمان سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے ایک جمعہ کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کسی چیز کا سترہ بنائے نماز ادا کررہے تھے، قبیلہ بنی ابومعیط کے ایک جوان نے آپ کے سامنے سے گزرنے کی کوشش کی تو ابوسعید نے اس نوجوان کو سینے پر ہاتھ مار کر پیچھے دھکیل دیا، اس نوجوان نے دیکھا تو اسے کہیں اور سے گزرنے کا آسان راستہ نہ ملا تو اس نے دوبارہ آپ کے سامنے سے گزرنا چاہا، اس مرتبہ انہوں نے پہلے سے زیادہ زور سے دھکا دیا، جو اسے برداشت نہ ہوا اور غصہ سے مروان کے پاس جا کر اس واقعہ کی شکایت دائر کردی، لیکن نماز کے فوراً بعد ابوسعید بھی پیچھے پیچھے مروان کے پاس چلے گئے تو مروان نے پوچھا: اے ابو سعید! آپ کے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان کیا معاملہ ہوگیا؟ آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جب تم میں سے کوئی کسی چیز کو لوگوں سے سترہ بنا کر نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی آگے سے گزرنا

چاہے تو اسے روک دے اور اگر وہ نہ رکے تو اس سے لڑے، کیونکہ وہ شیطان ہے۔(صحیح بخاری)

پہلی حدیث کے حوالے سے امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ نمازی کے آگے سے گزرنے پر ممانعت کی دلیل ہے، بیشک اس حدیث میں شدید ممانعت کے ساتھ ساتھ ایسا کام کرنے والے کے لئے سخت وعید بھی ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا کبیرہ گناہ میں شامل ہے۔مزید کہتے ہیں:

حدیث کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ ہر صورت میں نمازی کے سامنے سے گزرنا ممنوع ہے، اگر چہ اسے کوئی اور راستہ ملے یا نہ ملے، بہر صورت نمازی کے فارغ ہونے کا انتظار کرے، نیز ابو سعید کا واقعہ اس بات کی تائید کرتا ہے۔

علامہ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا حرام ہے اور نمازی کے لئے جائز ہے کہ گزرنے والے کو روک دے۔ ہاں اگر گزرنے والا مجبور ہو، اس کے لئے

گزرے بغیر چارہ ہی نہ ہو تو گزر جائے اور اگر گزرنے والا نمازی سے کچھ دوری پر ہو اور نمازی نے وہاں کوئی سترہ بھی نہ رکھا ہو تو گزرنے والے پر کوئی گناہ نہیں، کیونکہ اگر وہ اتنی دوری سے گزرا ہے جسے عرف میں نمازی کے آگے سے گزرنا شمار نہیں کیا جاتا تو وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ سترہ کے پیچھے دور ہی سے گزرا ہے۔ واللہ اعلم

اور اگر نمازی سترہ کے بغیر نماز پڑھ رہا ہے تو گزرنے والے کو چاہئے کہ تین ہاتھ کے فاصلے کا اندازہ کرلے اور اتنی جگہ چھوڑ کر گزر جائے، بیشتر علماء کا اس پر اتفاق ہے، حرج تو اس گزرنے والے پر ہے جو نمازی کے سامنے سے تین ہاتھ کے فاصلے کے اندر اندر سے گزرے، جو تین ہاتھ کے فاصلے کے بعد سے گزرے اس پر کوئی حرج نہیں۔

جہاں تک باجماعت نماز کا تعلق ہے تو امام کا سترہ مقتدی کا سترہ شمار ہوگا، اس لئے اگر کوئی مقتدی کے سامنے سے گزرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع کا پورا باب باندھا ہے، کہتے ہیں: ''باب امام کا سترہ مقتدی کا سترہ ہوتا ہے'' اس باب میں انہوں

نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ انہی کی زبانی نقل کیا ہے، کہتے ہیں: میں ایک دن گدھی پر سوار ہو کر منیٰ پہنچا، اس وقت میں بلوغت کے قریب تھا، جب میں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھلی جگہ پر بغیر کسی دیوار کی اوٹ کے نماز پڑھا رہے تھے، میں بعض صفوں کے درمیان سے گدھی پر سوار گزر گیا اور ایک جگہ گدھی سے اترا اور اسے چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور میں نماز میں شامل ہو گیا، میرے اس عمل پر کسی نے مجھے کچھ بھی نہیں کہا۔

(۵۴) **نماز میں حرکتیں کرنا:** نماز کے دوران کی جانے والی حرکتوں کا جائزہ لیا جائے تو اس کا شمار ہی ممکن نہیں، کیونکہ لوگ عجیب وغریب قسم کی حرکتیں کرتے رہتے ہیں، لیکن ہم یہاں بعض ایسی حرکتوں کا ذکر کریں گے جو عموماً لوگ کرتے ہیں اور جن کی ضرورت سرے سے نہیں ہوتی۔

(۱) **ناک میں انگلی ڈالنا اور اسے صاف کرتے رہنا:** یہ عادت عام حالات میں بری ہے تو پھر نماز میں تو اور بھی قبیح ہو جاتی ہے۔

(۲) **سر کھجلانا:**

(۳) سر کے اوپر بندھے ہوئے کپڑے کو سیدھا کرتے رہنا، چاہے وہ عمامہ ہو یا پگڑی، غترہ ہو یا رومال، چادر ہو یا ٹوپی، اس کو دائیں بائیں اور نیچے یا آگے پیچھے سے سیدھا کرتے رہنا بہت بری بات ہے، اس حوالے سے علامہ عبدالعزیز بن باز سے کیا جانے والا سوال مسئلہ کو زیادہ واضح کرتا ہے، ان سے پوچھا گیا؟

میرا مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں چھوٹی چھوٹی حرکتیں کرنا میری عادت بن گئی ہے، جبکہ میں نے ایک حدیث سنی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ نماز میں تین سے زیادہ مرتبہ حرکتیں کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، کیا یہ حدیث درست ہے اور نماز میں لاپرواہی وغیرہ سے بچنے کی کیا صورت ہے؟

جواب: ایک مؤمن کے لئے سنت تو یہ ہے کہ جب نماز پڑھے تو پورے قلبی اور بدنی خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھے، نماز چاہے فرض ہو یا نفل، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ (سورۃ المؤمنون:۱،۲)

''یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کی جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں''

اور پھر نماز میں اطمینان ،اس کے فرائض اور ارکان میں سے ہے، نماز میں اطمینان کے خلاف کی جانے والی حرکات کی تعداد وغیرہ (جیسے تین) تو یہ کوئی حدیث نہیں ہے بلکہ یہ بعض علماء کی رائے ہے، جس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں، ہاں ! نماز میں عبث، لاپرواہی اور حرکتیں کرنا جیسے ناک کھرچنا، داڑھی اور کپڑوں سے لگے رہنا یہ سب کچھ مکروہ ہے، اور جب یہ بے فائدہ اور لغو حرکتیں زیادہ ہو جائیں اور مسلسل ہوتی رہیں تو نماز کو باطل کر دیتی ہیں اور اگر عرف عام میں یہ حرکتیں عمل کثیر میں نہ آئیں، یا زیادہ ہوں لیکن مسلسل اور ہمیشہ نہ ہوں تو نماز باطل نہیں ہوتی۔ بہرحال ایک مؤمن کو چاہئے کہ پورے خشوع وخضوع سے نماز ادا کرے اور لغو اور بے فائدہ حرکتوں سے اجتناب کرتے ہوئے نماز پڑھے، چاہے وہ حرکتیں تھوڑی ہوں یا زیادہ، تاکہ نماز صحیح اور کامل ہو سکے۔

(۵۴) بیماری کی حالت میں دورانِ نماز کی جانے والی غلطیاں:

بعض بیمار حضرات کھڑے ہونے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں، بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کے سر میں درد ہو تو ساری نماز بیٹھے بیٹھے پڑھ لیتے ہیں، حالانکہ سر درد کی صورت میں قیام کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا، اسی طرح بعض مریض آنکھ یا ناک کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں تو ڈاکٹر انہیں سجدہ کرنے سے روکتے ہیں کہ کہیں زیادہ درد نہ ہو جائے، لیکن مریض صاحب بجائے سجدے میں احتیاط کے بیٹھ کر نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

اس طرح کی اور بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، الغرض جو شخص قیام کی طاقت رکھتا ہو اور رکوع، سجدہ نہ کر سکتا ہو تو اس کے لئے تینوں اماموں کے نزدیک قیام معاف نہیں ہے بلکہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے، کیونکہ قیام استطاعت کی شرط کے ساتھ رکن ہے اور اگر رکوع نہیں کر سکتا تو اشارہ سے رکوع کرے، پھر بیٹھ جائے اور بیٹھ کر سر کے اشارہ سے سجدہ کر لے، اس لئے کہ قیام تو ایک الگ رکن ہے اور رکوع سجدہ الگ، بعض ارکان کے ادا کرنے سے معذوری کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ سب ارکان ہی ساقط ہو جائیں گے۔

قیام تو رکن ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴾ (سورة البقرة: ۲۳۸)

''اللہ کے لئے باادب کھڑے رہا کرو''

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں بواسیر کی بیماری میں مبتلا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا، آپ نے فرمایا:

''کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر اس کی طاقت نہیں رکھتے تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر اس کی طاقت بھی نہیں رکھتے تو پہلو کے بل پڑھو'' (صحیح بخاری)

(۵۵) امامت کے لئے چھوٹی عمر والے کو آگے نہ کرنا، اگرچہ وہ قرآن بہترین پڑھتا ہو: آپ دیکھتے ہیں کہ بعض نمازی جب متعین امام کی عدم موجودگی میں نماز کے لئے کسی کو آگے بڑھاتے ہیں یا پھر کسی صحرا یا سفر میں اگر نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ کون قرآن کا علم زیادہ رکھتا ہے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ عمر میں بڑا کون ہے، اگرچہ وہ بزرگ قراءت کرنا جانتا ہی نہ ہو بلکہ سورۂ فاتحہ بھی ٹھیک نہ پڑھتا ہو، پھر بھی چھوٹے کو اس لئے

آگے نہیں کرتے کہ یہ تو بزرگ کی حق تلفی ہوگی، اس کی موجودگی میں کم عمر والے کو تو آگے بڑھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لوگوں کا یہ عمل سنت نبوی کی صریحاً خلاف ورزی ہے، آپ نے فرمایا:

''جب تم تین کی تعداد میں ہو تو ایک تم میں سے امامت کرے اور امامت کا سب سے زیادہ حقدار قرآن کا اچھا پڑھنے والا ہے''
(احمد، مسلم، نسائی، بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ)

اور حضرت ابومسعود عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگوں کی ان میں سے سب سے زیادہ بہتر اللہ کی کتاب پڑھنے والا امامت کرے، اگر سارے نمازی یکساں قراءت کرتے ہوں تو سنت کو سب سے زیادہ جاننے والا امامت کرے اور اگر علم سنت کے حوالے سے بھی سب برابر ہوں تو جس نے ہجرت میں پہل کی ہو وہ امامت کرے'' (احمد، مسلم)

ان دونوں حدیثوں میں اس بات کی صراحت ہے کہ قرآن کا بہتر

پڑھنے والا ہی امامت کا سب سے زیادہ حقدار ہے، اس کے علاوہ ایک اور حدیث میں صراحت کے ساتھ قرآن کی بہتر تلاوت کرنے والے کو بڑی عمر والے پر ترجیح دی گئی ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

''......اگر ہجرت کرنے میں بھی سب برابر ہوں تو عمر میں جو بڑا ہو وہ امامت کرائے''

یعنی عمر میں بڑا ہونے کو چوتھے نمبر پر رکھا گیا ہے، سب سے پہلے نمبر پر بہترین قراءت کرنے والا امامت کا حقدار ہے، دوسرے نمبر پر سنت نبوی کا زیادہ جاننے والا، اگر ان دونوں باتوں میں برابر ہوں تو تیسرے نمبر پر سب سے پہلے اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والا ہوگا اور اگر ہجرت بھی سب نے اکٹھے کی ہو تو پھر عمر میں بڑا ہونے کو ترجیح ہوگی۔

فتاویٰ کی دائمی کمیٹی نے بچے کی امامت کے بارے میں فتویٰ دیتے ہوئے کہا ہے کہ عقل، ہوش وحواس اور سمجھ بوجھ رکھنے والے بچے کے پیچھے نماز درست ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگوں کو وہ شخص نماز پڑھائے جو اللہ کی کتاب کو سب سے بہتر پڑھتا ہو''

حضرت عمرو بن سلمہ جرمی فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے واپس آئے تو کہنے لگے، جب نماز کا وقت ہو جائے تو قرآن کا بہتر جاننے والا ہی تم میں سے امامت کرے، تو نمازیوں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر جائزہ لیا کہ کون ایسا ہوسکتا ہے، تو مجھ سے زیادہ بہتر انہیں حاضرین میں سے کوئی قرآن پڑھنے والا نظر نہ آیا، پس مجھے امامت کے لئے کھڑا کر دیا گیا، جبکہ میں اس وقت چھ یا سات سال کا بچہ تھا۔[1] (صحیح بخاری)

(۵۶) نماز میں اچھے اور باوقار کپڑے نہ پہننا: اس بارے میں یا تو لوگوں کو علم ہی نہیں یا پھر جان بوجھ کر جاہل بنے ہوتے ہیں، کبھی کبھی تو دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض لوگ خاص طور پر فجر کی نماز میں سونے والے کپڑے یا کوئی انتہائی گھٹیا لباس پہن کر آجاتے ہیں، یعنی ایسا عجیب لباس ہوتا ہے کہ اگر انہیں سونے کا ٹکڑا دے کر بھی کہا جائے کہ ان کپڑوں میں اپنے دفتر یا نوکری پر چلے جائیں یا کہیں شادی بیاہ کی تقریب میں چلے جائیں تو بالکل نہیں جائیں گے، بلکہ اس بات کو بہت برا محسوس کریں گے، جبکہ نماز میں حاضر

(۱) مجلۃ البحوث: ۲۱/۴/۲۱

ہوتے ہوئے انہیں کوئی عار محسوس نہیں ہوتا۔ بیشک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، سادگی کے ساتھ بن سنور کر اچھے کپڑے پہن کر مسجد جانا مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الأعراف:۳۱)

''اے آدم کی اولاد! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو''

(زینت سے مراد بعض علماء کے نزدیک وہ لباس ہے جو آرائش کے لئے پہنا جائے)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو دونوں کپڑے پہن لے، بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کے لئے زینت اختیار کی جائے'' (طبرانی، طحاوی، بیہقی)

(۵۷) بعض لوگ حمامات اور غسل خانوں کے پیچھے نماز پڑھنا اچھا نہیں سمجھتے، جبکہ درمیان میں دیوار بھی ہو، اس موضوع پر جناب علامہ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ سے فتویٰ لیا گیا، ہم فائدہ کے لئے وہ فتویٰ سوال وجواب کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

سوال: کیا ایسی جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے جہاں نمازی کے آگے بیت الخلاء ہو اور نمازی اور بیت الخلاء کے درمیان ایک دیوار کے علاوہ کوئی فاصلہ بھی نہ ہو، نیز کیا ایسی جگہ چھوڑ کر کہیں اور نماز ادا کرنا زیادہ افضل ہے؟

جواب: مذکورہ جگہ پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ اس کے سامنے بیت الخلاء ہو، شرط یہ ہے کہ نماز کی جگہ صاف ہو، اسی طرح غسل خانہ کی چھتوں پر بھی نماز پڑھنا درست ہے، جبکہ وہ چھت پاک صاف ہوں، بیشتر علماء اسی کے قائل ہیں۔ واللہ ولی التوفیق [1]

(۵۸) بعض لوگ اقامت کے وقت "أقامها الله وأدامها" کہتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت ابوعمامہ یا کسی اور صحابی سے ابوداود نے

---

(۱) مجلۃ الدعوۃ رقم: ۱۱۹۱ تاریخ ۱۳/۱۰/۱۴۰۹ھ۔

یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور جب "قد قامت الصلاۃ" پر پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أقامها اللّٰه وأدامها" یعنی اللہ اسے قائم رکھے اور ہمیشگی بخشے، تو یہ حدیث ضعیف ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۵۹) بعض لوگ اقامت کے وقت اس وقت اٹھتے ہیں جب کہا جاتا ہے: "قد قامت الصلاۃ" اور یہ فعل سنت سمجھ کر کرتے ہیں، حالانکہ ان کا تاخیر سے کھڑا ہونا سنت نہیں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تکبیر کے دوران لوگوں کے کھڑے ہونے کا کوئی خاص وقت ہونا میرے علم میں نہیں آیا بلکہ جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق تکبیر شروع ہونے کے بعد اٹھے، کیونکہ بعض لوگ موٹے ہوتے ہیں، بعض پتلے اور بعض کمزور، اس لئے یہ تو ممکن نہیں کہ سب یکبارگی کسی خاص لفظ کے کہنے پر ہی اٹھ کھڑے ہوں۔ (موطأ، ص:۶۷)

(۶۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث: "نماز ہلکی پڑھایا کرو" یعنی نماز میں

تخفیف کیا کرو، بعض لوگ اس حدیث سے صحیح معنی نہیں سمجھتے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے، کیونکہ جماعت میں کمزور، بیمار اور بوڑھے لوگ بھی ہوتے ہیں'' (صحیح بخاری، مسلم، بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

اسی طرح ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو لمبی نماز پڑھانے پر سرزنش کی اور فرمایا:

''فتّان فتان یا فرمایا فاتن فاتن (تین مرتبہ) راوی کو شک ہے کہ فاتن کہا یا فتان (ان دونوں الفاظ کا معنی ہے، آزمائش میں ڈالنے والا، مصیبت میں مبتلا کرنے والا، تکلیف پہنچانے والا......) اور آپ نے حضرت معاذ کو اوساط مفصل میں سے دو سورتیں پڑھنے کا حکم دیا۔

ان دونوں حدیثوں سے بہت سے لوگ لمبی نماز پڑھانے کے خلاف دلیل پکڑتے ہیں، ان کی اس حجت اور دلیل پر غور کرنے سے پہلے ہمیں تخفیف (ہلکی نماز) کے صحیح معنی اور مفہوم کو سمجھنا ہوگا۔

حضرت امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں بیان کرتے ہوئے ذکر کرتے ہیں کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز مکمل اور مختصر پڑھتے تھے۔

ایک اور حدیث میں ان کا بیان ہے: میں نے کبھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکی اور مکمل نماز کسی کے پیچھے ادا نہیں کی۔ بخاری نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے:

"اگر آپ کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو اس ڈر سے ہلکی کر دیتے کہ کہیں اس کی ماں کو تکلیف نہ ہو"

انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو مختصر اور مکمل کہا ہے، مختصر کا وہ مطلب صحیح ہے جو آپ کرتے تھے، وہ مطلب ٹھیک نہیں جس کو لیتے ہوئے کوئی آدمی اپنے گمان کے مطابق نماز مختصر کر لے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا مطلب قابل قبول ہے، اپنی منشا کے مطابق لفظ کا مطلب لے لینا درست نہیں، بیشک مختصر ہونا وہی درست ہے جو سنت کی طرف منسوب ہو اور سنت ہی سے سمجھا جائے۔ جو اختصار امام یا مقتدی اپنی خواہش سے کرتے

ہیں وہ درست نہیں، پھر امام ابن القیم نے یہ حدیث نقل کی: حضرت انس سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مختصر اور مکمل نماز کسی کے پیچھے نہیں پڑھی، نبی کریم ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه'' کہنے کے بعد اتنی دیر کھڑے رہتے کہ ہم سمجھتے کہ آپ بھول گئے ہیں، پھر تکبیر کہتے، پھر سجدہ کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان بھی اتنا بیٹھتے کہ ہم سمجھتے کہ شاید بھول گئے ہیں۔

امام ابن القیم کہتے ہیں کہ حضرت انس نے اس حدیث میں نبی کریم کی نماز کی دونوں صفتوں (اختصار اور کامل) کا ذکر کیا ہے، اس میں وضاحت ہے کہ یہاں کامل ہونے کا مطلب دونوں جگہوں پر لمبا ٹھہرنا ہے، اتنا کہ نماز پڑھنے والا سوچتا تھا کہیں حضور کو وہم ہوگیا یا بھول گئے ہیں۔ اس حدیث میں انہوں نے اختصار اور کامل دونوں صفتوں کو جمع کر دیا ہے، کہتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مختصر اور مکمل نماز پڑھانے والا کوئی نہیں دیکھا، یہ بھی شبہ ہوتا ہے کہ اختصار کا تعلق قیام سے ہو اور کامل کا تعلق رکوع، سجدہ اور اعتدال کے ساتھ ہو، کیونکہ قیام تو مکمل ہی ہوتا ہے، اس لئے اس کو مکمل صفت سے متصف کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ رکوع، سجدے اور

دونوں کے درمیان اعتدال کے لئے مکمل یا کامل کی صفت لگائی گئی ہے، پس اس میں راز یہی ہے کہ مختصر قیام، لمبا رکوع، سجدہ اور اعتدال ہی نماز کو مکمل اور مختصر بناتے ہیں۔ اس بیان سے ان کی اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ ''میں نے رسول کی نماز سے زیادہ مختصر اور مکمل نماز کسی کی نہیں دیکھی''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس انداز سے نماز ادا کرتے تھے کہ آپ تمام ارکان کو پورا حق دیتے، قیام، رکوع، سجدے، ہر رکن کو اعتدال کے ساتھ ادا کرتے اور اعتدال بذات خود بھی نماز کا رکن ہے......

امام ابن القیم نے پوری وضاحت کے ساتھ تخفیف (ہلکی نماز) کے بارے میں ہمیں بتادیا ہے، جبکہ آج کل بہت زیادہ لوگ نبی کریم کی اس نماز کے خلاف نماز ادا کرتے ہیں، جس کی وضاحت امام صاحب نے کی اور کہتے ہیں ہم حضور کے حکم کے مطابق ہلکی نماز پڑھ رہے ہیں۔ آج کل تو لوگ اگر قیام لمبا کر بھی لیں تو رکوع اور سجدے میں ٹھونگیں مارنا (پرندے کی طرح چونچ مارنا) شروع کردیتے ہیں، بلکہ بعض تو قیام، رکوع اور سجدے ہر جگہ اس طرح ٹھونگیں مارتے جاتے ہیں جیسے مرغا دانے چگ رہا ہو۔

اس پوری بحث سے ثابت ہوا کہ تخفیف وہ نہیں ہے جو آج کل لوگ

کرتے ہیں بلکہ تخفیف وہ ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔

حضرت انس فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تخفیف (ہلکی نماز) پڑھانے کا حکم دیتے اور امامت کرتے ہوئے سورہ صافات تلاوت فرماتے، اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ امت کے لئے کوئی شفیق اور رحم دل نہیں ہوسکتا، خود اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورۃ توبہ:۱۲۸)

''ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں''

اس کے باوجود آپ دیکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تخفیف کا حکم بھی دیا اور تخفیف کرکے بھی دکھائی، لیکن آپ اس طرح تخفیف نہیں کرتے تھے جس طرح آج کے دور میں بہت سے لوگوں نے سمجھ لیا ہے۔

(۶۱) **خواتین عام طور پر مردوں کی نماز ختم ہونے کا انتظار کرتی رہتی ہیں کہ وہ** نماز ختم کریں تب ان کی نماز درست ہوگی، وہ سمجھتی ہیں کہ مردوں کی نماز سے پہلے عورتوں کی نماز درست ہوتی ہی نہیں، حالانکہ اس بات کی کوئی حقیقت نہیں ہے، نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد خواتین گھر میں مردوں سے پہلے نماز پڑھ سکتی ہیں۔

(٦٢) بعض لوگ سلام پھیرتے وقت جب دائیں جانب سلام پھیرتے ہیں تو دائیں ہتھیلی ہلاتے ہیں اور جب بائیں جانب سلام پھیرتے ہیں تو بائیں ہتھیلی ہلاتے ہیں، حالانکہ اس طرح کی حرکت سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم سلام کے وقت اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیا ہو گیا ہے، اپنے ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کرتے ہو (كأنها أذناب خيل شمس)[1] جیسے بھڑے ہوئے گھوڑوں کی دُمیں ہوں، جب تم میں سے کوئی سلام پھیرنا چاہے تو اپنے ساتھی کی طرف رخ کرے اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔ (صحیح مسلم)

(٦٣) سلام کرتے وقت سر ہلانا بھی غلط ہے: بعض لوگ سلام پھیرتے وقت سر کو اوپر نیچے حرکت دیتے رہتے ہیں، اور دونوں طرف سلام پھیرتے ہوئے یہی حرکتیں جاری رکھتے ہیں، یہ فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دائیں جانب سلام پھیرتے تو السلام علیکم

---

(۱) شُمس: شموس کی جمع ہے، اس سے مراد وہ بھڑنے والے جانور ہیں جو نہ قرار پکڑے اور نہ سوار ہونے دے۔ (النہایۃ لابن الأثیر)

ورحمۃ اللہ کہتے، اور اس طرح دائیں جانب رخ کرتے کہ پیچھے سے آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی (چمک) نظر آجاتی، اور جب بائیں جانب سلام پھیرتے تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے اور آپ کے بائیں رخسار مبارک کی سفیدی پیچھے سے نظر آتی۔ (ابوداود، نسائی، ترمذی)

اس حدیث میں چونکہ سر ہلانے کا کہیں ذکر نہیں ملتا اس لئے سر ہلانا خلاف سنت ہے۔

(۶۴) فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگنا بھی بدعت ہے،

حضرت علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ سے فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعائیں کرنا بالکل ثابت نہیں، ہمارے علم کے مطابق یہی بات درست ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بدعت ہے، جس کی کوئی اصل نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا عمل نہیں تو وہ مردود ہے" (صحیح مسلم)

اور فرمایا:

''جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز داخل کی جو پہلے نہ تھی تو وہ مردود ہے'' (متفق علیہ)

(۶۵) نماز سے فارغ ہونے کے بعد ساتھ والے نمازی سے ہاتھ ملانا اور ''تقبل اللّٰہ'' یا ''حرماً'' کہنا خلاف سنت ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: الحمد للہ، نماز کے فوراً بعد ہاتھ ملانا، مصافحہ کرنا سنت نہیں بلکہ بدعت ہے۔ واللہ اعلم (الفتاوی ۲۳/۳۳۹)

علماء کی دائمی کمیٹی کے سامنے یہی سوال رکھا گیا، پوچھنے والے نے پوچھا: ہر فرض نماز کے بعد دائیں بائیں بیٹھے ہوئے نمازیوں کو سلام کرنے اور مصافحہ کرنے نیز امام کو مصافحہ اور سلام کرنے کا اسلام میں کیا حکم ہے؟

جواب: امام کو پابندی کے ساتھ سلام یا مصافحہ کرنا یا ہر نماز کے بعد دائیں بائیں بیٹھنے والوں کو سلام یا مصافحہ کا اہتمام کرنا بدعت ہے، کیونکہ یہ فعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر روز پانچ نمازوں میں اس کا اس قدر تکرار ہوتا کہ ہم

تک تواتر کے ساتھ پہنچ جاتا، یہ ایسی بات ہے کہ اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو ہر آدمی جانتا ہوتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو کوئی ہمارے دین میں ایسی نئی بات داخل کرے گا جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے'' (صحیح مسلم)

شیخ عبداللہ بن جبرین حفظہ اللہ کہتے ہیں: بہت سے نمازی فرض نمازوں کے فوراً بعد اپنے ساتھ والے نمازی سے مصافحہ کرنے کے لئے ہاتھ بڑھا دیتے ہیں اور ساتھ ساتھ کہتے ہیں (تقبل اللہ) یا (حرماً) ایسی کوئی بات سلف صالحین سے منقول نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے۔

(۶۶) انگلیوں کے بجائے تسبیح پھیرنے کے لئے سودانے کی بنی مالا استعمال کرنا بھی غلط ہے۔ تسبیح (دانوں) کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ عبدالعزیز بن باز نے فرمایا: اسے استعمال نہ کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ بعض اہل علم کے نزدیک تسبیح (دانوں) کا استعمال مکروہ ہے، افضل یہ ہے کہ کسی مسنون ورد کو گننا ہو تو انگلیوں پر گنے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ تسبیح وتہلیل انگلیوں کے ذریعہ کرنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے:

''ان انگلیوں سے پوچھا جائے گا اور یہ جواب دیں گی'' (ابوداود)

صرف دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح گننا اور بھی افضل ہے، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ پر تسبیح گنا کرتے تھے۔ (ابوداود)

شیخین کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام دائیں ہاتھ سے کرنا پسند کرتے تھے، جہاں تک ممکن ہو سکے وضو کرنے، طہارت حاصل کرنے، جوتا پہننے، کنگھی کرنے اور اپنے تمام کام کرنے میں دائیں جانب ہی کو پسند کرتے تھے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

علامہ ابن باز سے بعض نمازیوں نے اپنے امام کے بارے میں شکایت کی کہ وہ صرف دائیں ہاتھ پر گن کر تسبیح کرتے ہیں، تو انہوں نے جواب دیا: امام کا اس طرح تسبیح کرنا بالکل درست ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ سے ہی تسبیح گنتے تھے۔ اور جو کوئی دونوں ہاتھ استعمال کرے اس پر بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ زیادہ تر حدیثوں میں دائیں ہاتھ کی قید نہیں ہے، البتہ دائیں ہاتھ کی زیادہ فضیلت ہے، کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عین سنت ہے۔۔ واللہ ولی التوفیق

(٦٧) نماز کے اندر آسمان کی طرف یا ادھر اُدھر دیکھنا بھی خلاف سنت ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ اور انس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو لوگ نماز میں آسمان کی طرف نظریں اٹھائے رکھتے ہیں انہیں ضرور باز آجانا چاہیئے، ورنہ ہوسکتا ہے کہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں" (صحیح مسلم، احمد، ابوداود، ابن ماجہ وابن خزیمہ)

ابن خزیمہ نے اس عنوان سے پورا باب باندھا ہے، باب "التغليظ في النظر إلى السماء في الصلاة"

سنت یہ ہے کہ نمازی حالت نماز میں سجدہ کی جگہ پر نگاہ رکھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ نے اپنے سجدہ کی جگہ سے نظر نہ ہٹائی، یہاں تک کہ کعبہ سے باہر نکل آئے۔ (مستدرک حاکم)[1]

---

(۱) حاکم نے اس حدیث کو بخاری ومسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے تائید کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قعدہ میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے اور دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے ہوئے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے اور آپ کی نظر شہادت کی انگلی سے آگے پیچھے نہ ہوتی۔ (احمد، ابن خزیمہ، بیہقی، اس کی سند حسن ہے)

یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نمازی کو سجدہ کی جگہ پر نگاہ مرکوز رکھنی چاہئے اور اگر چاہے تو تشہد کے دوران شہادت کی انگلی کی طرف بھی اشارہ کرتے ہوئے دیکھ لے۔

(۶۸) جماہی کو زبردستی نہ روکنا بھی نماز میں خلل ڈالتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تم میں سے کسی کو نماز میں جماہی آئے تو اسے کنٹرول کرے جہاں تک ممکن ہو، کیونکہ اس طرح شیطان اندر داخل ہو جاتا ہے“ (صحیح مسلم، ابوداود)

کنٹرول کرنے یا ضبط کرنے کو عربی میں ”کظم“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یعنی برداشت کی حدتک جماہی کو روکا جائے ، چاہے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے:

''جب تم میں سے کسی کو جماہی آئے تو اپنے ہاتھ سے منہ کو پکڑ لے''
(صحیح مسلم، بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ)

(۶۹) حالت نماز میں رومال یا غترہ وغیرہ سے منہ کا ڈھانپنا بھی غلط ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کوئی اپنا چہرہ ڈھانپے۔ (ابو داود، ابن ماجہ، بغوی) البتہ جماہی آنے کی صورت میں منہ بند کرنے کے لئے ڈھانپنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ مستثنیٰ ہے، جیسا کہ گزشتہ ۶۸ نمبر میں گزر چکا ہے۔

علامہ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بلا سبب نماز میں منہ ڈھانپنا مکروہ ہے۔ (کتاب الدعوۃ، الفتاویٰ ص:۸۳)

(۷۰) اذان کے بعد مسجد سے نکلنا بھی غلط ہے۔ امام منذری رحمۃ اللہ علیہ بلا عذر اذان کے بعد مسجد سے نکلنے پر وعید کے عنوان سے بحث کرتے ہوئے بعض احادیث کا ذکر کرتے ہیں، جن میں سے ایک روایت یہ ہے کہ ایک

آدمی اذان کے بعد مسجد سے باہر نکلا تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس شخص نے تو ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔ (صحیح مسلم، احمد)

اور امام احمد نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: ''جب تم مسجد میں موجود ہو اور اذان ہو جائے تو تم میں سے کوئی بھی نماز پڑھنے سے پہلے باہر نہ نکلے۔''

امام ترمذی کہتے ہیں: تمام اہل علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور اس کے بعد بھی اس بات پر عمل کرتے رہے کہ کوئی شخص اذان کے بعد بلا عذر مسجد سے باہر نہ نکلے اور عذر یہ ہے کہ اسے وضو کرنا ہو یا کوئی ایسا ضروری کام ہو جسے کیے بغیر گزارا ہی نہ ہو۔

(۱۷) دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈالنا۔ یہ کام مسجد کی طرف جانے سے لے کر نماز پڑھ کر باہر نکلنے تک منع ہے، حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو خوب اچھی طرح وضو کرے، پھر مسجد کی طرف چلے تو اب ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں نہ ڈالے، کیونکہ وہ اب نماز میں ہے'' (احمد، ابوداود، ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی شخص گھر سے وضو کر کے مسجد کی طرف نکلتا ہے تو وہ اس وقت تک نماز ہی میں ہوتا ہے جب تک کہ نماز پڑھ کر واپس نہیں آ جاتا، تو اس دوران وہ اس طرح نہ کرے'' (آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالیں) (حاکم)

حضرت ابو ہریرہ ہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے وضو کرے تو اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں نہ ڈالے'' (طبرانی: معجم اوسط)

یہ ساری حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز کے لئے نکلنے سے لے کر نماز ختم کرنے تک ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالنا منع ہے۔

(۷۲) سورۃ فاتحہ کے بعد زیادہ دیر خاموش رہنا بھی غلط ہے۔ یہ سکتہ کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ امام احمد کے نزدیک

امام کے لئے مقتدی کا اس طرح انتظار کرنا مستحب نہیں ہے کہ وہ سورۃ فاتحہ پڑھ لے، لیکن آپ کے بعض اصحاب اسے مستحب سمجھتے ہیں اور پھر اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکتہ کیا ہوتا جس سکتے کے دوران نمازی فاتحہ پڑھ سکتا تو پھر یہ چیز ضرور حدیثوں میں مذکور ہوتی، لیکن جب اس کا تذکرہ حدیثوں میں نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا طویل سکتہ نہیں کیا کہ مقتدی اس دوران فاتحہ پڑھ سکے، اور اگر تمام صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سورۃ فاتحہ پہلے یا دوسرے سکتے میں پڑھتے ہوتے تو پھر ضرور یہ بات ہم تک منقول ہوتی۔ مگر کسی ایک صحابی سے بھی ایسی روایت نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ دوسرے سکتے کے دوران سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے، اگر یہ سکتہ اور اس کے دوران فاتحہ پڑھنا مشروع ہوتا تو صحابہ اس بات کے زیادہ حقدار تھے کہ اس پر عمل کریں، اس لئے یہ نیا کام ہے جسے بدعت کہتے ہیں۔

اس موضوع پر دو سوال جناب علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے پوچھے گئے جو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

سوال: امام فاتحہ کے بعد کچھ دیر خاموش رہ کر مقتدیوں کو موقع دیتا ہے

کہ وہ سورۃ فاتحہ پڑھ لیں، اس کا اسلام میں کیا حکم ہے، نیز اگر امام یہ موقع نہ دے تو مقتدی فاتحہ کب پڑھے؟

جواب: ہمیں اس بات کی کوئی واضح دلیل نہیں ملتی کہ امام مقتدیوں کو جہری نمازوں میں فاتحہ پڑھنے کا موقع دینے کے لئے سکوت اختیار کرے اور مقتدی کے لئے مشروع یہ ہے کہ ان وقفوں میں سورۃ الفاتحہ پڑھ لے جو امام سورہ فاتحہ کی قراءت کے دوران کرتا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو چپکے سے فاتحہ پڑھ لے اگرچہ امام قراءت کر رہا ہو، فاتحہ کے بعد خاموش ہو جائے، کیونکہ ارشاد نبوی ہے:

''جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی، اس کی نماز ہی نہیں'' (صحیح بخاری، مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:

''مجھے لگتا ہے کہ تم لوگ امام کے پیچھے پڑھتے رہتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: ایسا نہ کیا کرو، سوائے سورۃ فاتحہ کے، اس لئے کہ جو شخص سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز ہی نہیں ہوتی''

(احمد، ابوداود، ابن حبان)

یہ دونوں حدیثیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو خاص کر دیتی ہیں:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الأعراف:۲۰۴)

"جب قرآن پڑھا جائے تو خوب غور سے سنو اور خاموش رہو، شاید تم پر رحم کیا جائے"

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو بھی:

"امام تو صرف اس لئے بنایا گیا ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے، پس اس سے اختلاف نہ کرو، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو خاموش رہو" (صحیح مسلم)

لہٰذا نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا مذکورہ آیت اور حدیث کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔ دوسرے سوال کا جواب بھی تقریباً ایسا ہی ہے۔

(۷۳) ستونوں کے درمیان نماز پڑھنا بھی غلط ہے۔ حضرت قرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمیں ستونوں کے درمیان صفیں بنانے سے منع کیا جاتا تھا اور زبردستی وہاں سے دھکیل دیا

جاتا تھا۔ (ابن ماجہ، ابن خزیمہ، حاکم، ابن حبان، بیہقی، طیالسی، حاکم نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے)

حضرت عبد الحمید بن محمود کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز جمعہ کے لئے گیا تو ہمیں ستونوں کے درمیان (بھیڑ کی وجہ سے) کھڑا ہونا پڑا، پس ہم آگے پیچھے ہو گئے۔ انس رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس سے بچتے تھے۔ (ابوداود، نسائی، ترمذی، ابن حبان، حاکم)

امام بیہقی کہتے ہیں کہ یہ ممانعت اس لئے ہے کہ ستون وغیرہ صف کو آپس میں ملنے نہیں دیتے اور اگر اکیلا نمازی نماز پڑھ رہا ہو اور بیشک دونوں ستونوں کے درمیان ہی ہو تو اس کی نماز مکروہ نہیں ہوگی ان شاء اللہ، کیونکہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ شریف میں داخل ہو کر آگے والے دو ستونوں کے درمیان نماز ادا کی۔

امام مالک کے نزدیک اگر بھیڑ وغیرہ ہو اور مسجد میں جگہ تنگ ہو تو ستونوں کے درمیان صفیں بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(٧٤) **بعض لوگ قرآن پاک کو پڑھنے کے بعد یا کسی نامناسب جگہ پر** دیکھیں تو چوم لیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح چومنے والے کی نیت میں انتہائی خلوص ہوتا ہے اور وہ صرف قرآن کے ادب واحترام کے لئے ایسا کرتے ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ انسان کی نیت پرخلوص اور اچھی ہو تو وہ جو کام کر رہا ہے وہ بھی صحیح ہو۔

جناب شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے قرآن کو چھونے، اس کے ادب واحترام میں کھڑے ہونے، چومنے اور اس سے فال نکالنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

الحمدللہ! قرآن کی تعظیم میں کھڑا ہونا اور اسے چومنا سلف صالحین میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے۔

امام احمد سے قرآن پاک کو چومنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے ایسی کوئی بات نہیں سنی، البتہ حضرت عکرمہ بن ابوجہل کے بارے میں روایت ہے کہ جب قرآن پاک کھولتے تو اپنا چہرہ اس پر رکھ دیتے اور کہتے: میرے رب کا کلام ہے، میرے رب کا کلام ہے۔ سلف صالحین اس کے احترام کے لئے کھڑے نہ ہوتے تھے، اسی طرح وہ ایک

دوسرے کے ادب واحترام کی خاطر بھی کھڑے نہیں ہوتے تھے......اھ۔

امام احمد کے اس قول کو بیان کرنے کے بعد شیخ الاسلام فرماتے ہیں: قرآن سے فال نکالنے کے بارے میں سلف صالحین سے کوئی بات ثابت نہیں ہے، متاخرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، قاضی ابویعلی نے اس اختلاف کا ذکر کیا ہے: ابن بطہ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے ایسا کیا اور بعض نے اسے ناپسند بھی کیا، لیکن یہ وہ فال نہیں ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند کیا، حضور بھی نیک فال پسند فرماتے تھے، اور نحوست اور بدشگونی ناپسند کرتے تھے، جس فال کو آپ پسند کرتے تھے اس کی مثال یہ ہے کہ آپ کوئی کام کرتے یا کرنے کا ارادہ کرتے تو پھر اللہ پر بھرپور توکل کرتے اور ایسی اچھی بات سنتے جس سے دل مطمئن ہوجاتا، جیسے اے کامیاب ہونے والے، اے فلاح پانے والے، اے نیک بخت، اے منصور وغیرہ۔ (مجموع فتاویٰ: ۲۳/۶۵، ۶۶)

(۷۵) تکلف کے ساتھ مصنوعی انداز میں قرآن کی تلاوت کرنا بھی غلط ہے۔ بعض قاری حضرات ان تکلفات سے سامعین کو متنفر کردیتے ہیں، اس انداز سے حروف نکالتے ہیں اور ایسا ترنم اختیار کرتے ہیں جو قرآن کے

لئے زیب نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ (القمر: ۱۷)

''اور بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے''

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہاں آسان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا پڑھنا آسان کر دیا ہے، سدی کہتے ہیں: انسان کی زبان پر اس قرآن کی تلاوت کو آسانی سے رواں کر دیا۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس قرآن کو انسانوں کی زبان پر رواں نہ کرتا تو پوری مخلوق میں سے کسی کو کلام الٰہی کو پڑھنے کی طاقت نہ ہوتی۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲۸۲/۴)

(۷۶) **بعض لوگ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھتے ہوئے کہتے ہیں:**
''اللهم خل عني'' حالانکہ یہ مسنون دعا نہیں ہے جو دو سجدوں کے

درمیان مانگی جائے، بلکہ سنت کے مطابق یہ دعا مانگنی چاہیے:

''رَبِّ اغْفِرْلِي، وَارْحَمْنِي، وَاهْدِنِي ، وَارْزُقْنِي ''(۱)

''اے اللہ مجھے بخش دے، اور مجھ پر رحم کر، اور مجھے ہدایت دے، اور مجھے رزق عطا فرما''

(۷۷) بعض لوگ دوران نماز دائیں بائیں آگے پیچھے جھومتے اور حرکت کرتے رہتے ہیں، حالانکہ اس جھومنے یا حرکت کرنے کا کوئی سبب یا عذر بھی نہیں ہوتا، اس طرح کی حرکت خشوع وخضوع کے منافی ہے۔

(۷۸) بعض لوگ سجدہ سہو کرتے ہوئے یہ دعا پڑھتے ہیں:

''سبحان مَن لَا يَسْهُو وَلَا يَنَامُ'' یا یہ فرمان باری تعالیٰ: ''وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسيًا'' یا ''رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَو أَخطَأنَا''

کتاب السنن والمبتدعات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ سہو کے لئے کوئی خاص ذکر یا دعا ثابت نہیں ہے بلکہ ان سجدوں میں بھی نماز کے باقی سجدوں کی طرح ہی کرنا ہوگا، جہاں تک اس دعا کا تعلق ہے:

---

(۱) مسائل مہمۃ تتعلق بالصلاۃ، از شیخ عبداللہ منصور زامل رحمہ اللہ۔

”سبحان مَن لَا یَسْھُو وَلَا یَنَامُ“ تو یہ نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، نہ ہی ان کے صحابہ سے ثابت ہے۔ (السنن والمبتدعات ص:۷۶)

مذکورہ بالا دو آیتوں کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ بھی بالکل غلط ہے کہ سجدہ میں پڑھی جائیں، چونکہ نہ تو اس پر کوئی دلیل ہے نہ ہی ان کا پڑھنا سلف صالحین سے ثابت ہے، بلکہ رکوع اور سجدہ میں قرآن پڑھنے کی صریحا ممانعت آئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”خبردار بیشک مجھے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ میں رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن پڑھوں“ (صحیح مسلم)[1]

---

(۱) علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رکوع اور سجدے کی حالت میں جو قرآن پڑھنے کی ممانعت آئی ہے وہ عام ہے، یعنی یہ حکم فرض اور نفل دونوں نماز کو شامل ہے، البتہ ابن عساکر کے نزدیک کچھ زائد الفاظ وارد ہیں جن میں نفل نماز کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، مگر وہ روایت شاذ اور منکر ہے، ابن عساکر نے خود اسے ضعیف قرار دیا ہے، لہٰذا اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ (صفۃ صلاۃ النبی، ص:۱۱۵)

(۷۹) **بعض بڑی بڑی مساجد میں دیکھا جاتا ہے** کہ دیر سے نماز میں آنے والے نئی صف بنا لیتے ہیں، حالانکہ پہلی صف میں جگہ باقی ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ ایک آدمی مسجد کے دائیں دروازے سے داخل ہوا، جبکہ صف بائیں جانب سے نامکمل تھی، اب وہ سستی کی وجہ سے یا رکعت نہ ملنے کے ڈر سے پہلی صف کی بائیں جانب جانے کے بجائے ایک نئی صف بنا لیتا ہے، اس طرح اگلی صف ادھوری رہ جاتی ہے اور نئی صف بن جاتی ہے، چونکہ مزید آنے والے لوگ بھی اس طرف نہیں جاتے بلکہ اس نئی صف ہی میں کھڑے ہوجاتے ہیں، بسا اوقات نماز ختم بھی ہوجاتی ہے اور صفیں ادھوری ہی رہتی ہیں، یہ سب جائز نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو صف کو کاٹتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو کاٹ دے'' (احمد، ابوداود، نسائی)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

''اپنی صفیں سیدھی کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے سے جدا کردے گا'' (ابوداود، ابن حبان)

⑧۰ **بعض امام صفیں سیدھی کرتے ہوئے جب کوئی ٹیڑھا پن دیکھتے ہیں**
تو کہتے ہیں: "إن اللّٰه لا ینظرُ إلی الصف الأعوج "یعنی اللہ تعالیٰ ٹیڑھی صف کی طرف نہیں دیکھتا، اور بسا اوقات رسول کی طرف نسبت کر کے اسے حدیث قرار دیتے ہیں۔ یہ الفاظ بے شمار لوگوں کے ہاں بطور حدیث معروف ہیں، لیکن لمبی بحث ومباحثہ، تلاش وتحقیق اور اہل علم سے پوچھنے کے باوجود بھی ہم نے اس عبارت کو نہ تو کسی حدیث کی کتاب میں پایا نہ ہی کسی مستند عالم دین نے اس کی تائید کی، یہ تو ہماری تحقیق ہے اور جو کوئی بھی ان الفاظ کو حدیث سمجھتا ہے اسے چاہئے کہ اس کا ثبوت مہیا کرے اور جب تک ثبوت مل نہ جائے اس کو حدیث نہ سمجھے۔

اس کے علاوہ اس موضوع پر متعدد صحیح احادیث موجود ہیں، جن کی موجودگی میں کسی ایسی حدیث کی ضرورت باقی نہیں رہتی جس کی سند ثابت نہ ہورہی ہو، ان میں سے چند ہم صرف مثال کے طور پر یہاں پیش کرتے ہیں۔

فرمان نبوی ہے:

"اپنی صفیں سیدھی کرو" (صحیح بخاری، مسلم)

ایک اور ارشاد گرامی ہے:

''نماز کے لئے بہت اچھی طرح صفیں سیدھی کرو'' (احمد)

اور فرمایا:

''اپنی صفیں بالکل سیدھی کرو اور ان کے درمیان فاصلہ نہ چھوڑو'' (۱)

(احمد، ابوداود)

(۸۱) بعض نمازی جب رکوع سے سر اٹھاتے ہیں تو دعا کے انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، جبکہ یہ فعل سنت صحیحہ کے خلاف ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اٹھتے تو کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے اور کبھی کبھی کانوں کی لو تک بھی اٹھاتے، پس دعا کے انداز سے ہاتھ اٹھانا خلاف سنت ہے۔

(۸۲) کچھ مریض ایسے ہوتے ہیں جن کی متعدد نمازیں فوت ہو جاتی ہیں، اب وہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ہی پڑھتے ہیں آگے پیچھے نہیں کرتے، یعنی اگر آج کی ظہر قضاء ہوئی تو کل ظہر ہی کے وقت پڑھیں گے، یہ صحیح

(۱) مزید معلومات کے لئے حسین عوایشہ کی کتاب ''تسوية الصفوف وأثرها في حياة الأمة'' ملاحظہ فرمائیے۔

طریقہ نہیں ہے، ایسے لوگوں پر واجب ہے کہ جیسے ہی نماز پڑھنے پر قادر ہوں اور یاد آجائے تو فوراً پڑھ لیں، ان نمازوں کے لئے خاص اوقات کا انتظار جائز نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو نماز پڑھنا بھول گیا یا نیند سے بیدار نہ ہو سکا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جیسے ہی یاد آئے پڑھ لے'' (صحیح بخاری، مسلم، ابوداود اور نسائی)

(۸۳) صلاۃ کسوف اور صلاۃ خسوف (آفتاب و ماہتاب میں گہن لگنے پر پڑھی جانے والی نماز) میں ہونے والی غلطیاں: نماز کسوف اور خسوف میں بعض لوگ اس وقت شامل ہوتے ہیں جب امام پہلے رکوع سے سر اٹھا چکا ہوتا ہے اور پھر جب امام سلام پھیرتا ہے تو وہ بھی سلام پھیر دیتے ہیں۔ ایسا مقتدی سمجھتا ہے کہ دوسرا رکوع پا لینے سے اس نے رکعت پالی، جیسا کہ عام نمازوں میں ہوتا ہے، یہ غلط ہے کیونکہ نماز کسوف اور خسوف میں ہر رکعت میں دو یا دو سے زیادہ رکوع کئے جاتے ہیں، اس لئے ان نمازوں میں جو پہلے رکوع میں شامل ہو گیا اس کی رکعت پوری ہو گئی اور جو پہلے رکوع کے بعد ملے اسے بعد میں کھڑا ہو کر رکعت پوری کرنی ہو گی اور اس میں دو رکوع کرنے ہونگے۔

فتاویٰ کی دائمی کمیٹی کے سامنے اسی موضوع سے متعلق سوال کیا گیا، ذیل میں ہم سوال وجواب نقل کرتے ہیں:

سوال: کیا یہ درست ہے کہ نماز کسوف کا دوسرا رکوع سنت ہے، دیر سے آنے والا نمازی اگر اس دوسرے رکوع میں شامل ہو تو اس کی رکعت مکمل نہ ہوگی، جیسا کہ پہلے رکوع میں شامل ہونے والے نمازی کی رکعت مکمل ہوجاتی ہے؟ کیا پہلے رکوع کے بعد شامل ہونے والا نمازی امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو جائے اور دو رکوع کے ساتھ دوسری رکعت مکمل کرے یا اس کا دوسرا رکوع پہلے رکوع کا قائم مقام ہوجائے گا؟

جواب: جس نمازی کا نماز کسوف میں پہلا رکوع رہ جائے تو صرف دوسرا رکوع ملنے سے اس کی رکعت مکمل نہیں ہوگی بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ امام کے سلام کے بعد اٹھے اور دو رکوع کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے اور پھر سلام پھیرے، کیونکہ نماز کسوف عبادت ہے اور عبادات اجتہاد کے ذریعے سے صحیح یا غلط نہیں ہوتیں بلکہ نصوص صحیحہ میں جو کچھ وارد ہوتا ہے صرف اسی کے مطابق عبادات درست ہوتی ہیں۔[1]

---

(۱) مجلة البحوث الإسلامية: ۹۸/۱۳، ۹۳/۲۳۔

(٨٤) بعض مقتدی امام کے پیچھے سجدے سے اٹھنے کے بعد کافی دیر تک بیٹھے ہی رہتے ہیں، جبکہ امام اس وقت تک اچھی خاصی قراءت بھی کر چکا ہوتا ہے، جبکہ مقتدی بیٹھنے میں ہی وقت گزار دیتے ہیں۔

یہ بھی خلاف سنت عمل ہے، کیونکہ امام کی اقتداء واجب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیشک امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے'' (صحیح بخاری، مسلم)

شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس طرح کا فعل کرنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے، کیونکہ ایسا نمازی رکن چھوڑتا ہے، ہاں! جو آدمی جہالت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو اس کو بھی متنبہ ہونا چاہئے اور جو لوگ سستی اور لاپرواہی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، وہ رکن چھوڑنے کے مرتکب ہوتے ہیں، پس انہیں ایسا کرنے سے باز آنا چاہئے۔ (فتاوی شیخ محمد بن ابراہیم: ٢/٢٩٢)

(٨٥) جو نمازی قراءت کے دوران سجدے کی جگہ پر نظر رکھتے ہیں وہ سنت پر عمل کرتے ہیں، لیکن جب امام ولا الضالین کہتا ہے تو تھوڑا سا سر اٹھا

کر آمین کہتے ہیں، حالانکہ آمین کہتے وقت سر اٹھانا یا ہلانا بدعت ہے۔

(۸۶) تکبیر تحریمہ واضح طور پر اونچی آواز سے کہنا اور باقی تکبیریں پست انداز میں کہنا یہ بھی خلاف شرع ہے، چاہے تکبیروں میں یہ فرق کرنے والا مقتدی ہو یا اکیلا نماز پڑھنے والا، کیونکہ صرف تکبیر تحریمہ کو خاص طور پر اونچی آواز سے ادا کرنا کسی واضح دلیل کے بغیر درست نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم اس طرح نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو''

ہمارے پاس جو بھی روایات موجود ہیں ان میں سے کسی سے یہ بات ثابت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر تحریمہ خاص طور پر اونچی آواز میں کہی ہو۔ واللہ اعلم۔

(۸۷) بعض ممالک میں فرض نماز کے بعد ایک آدمی سورۃ الفاتحہ بآواز بلند پڑھتا ہے اور حاضرین اسے سنتے ہیں، پھر اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر وایصال کرتے ہیں، اس عمل کے بارے میں جناب شیخ محمد عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے، بلکہ بالکل ایک نئی چیز ہے، جو عہد رسالت

اوراس کے بعد کے زمانے میں بھی نہیں تھی، پس دین میں جو بھی نئی چیز پیدا کی جائے وہ نیکی نہیں ہوتی نہ ہی اس کا ثواب ہوتا ہے، بلکہ الٹا گناہ اور خسارے کا باعث بنتی ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بدعتوں سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

''دین کے معاملہ میں نئی نئی باتیں (بدعتیں) گھڑنے سے بچو، بیشک ہر بدعت (نئی بات) گمراہی ہے''

نماز کے بعد ایک آدمی کھڑا ہوکر اونچی آواز سے سورۂ فاتحہ یا آیۃ الکرسی پڑھے اور باقی خاموشی سے سنیں یہ تو بلا شبہ بدعت ہے، جو بالکل منع ہے، اس کے بجائے مسلمانوں کو وہ کام کرنے چاہئیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے اور کرنے کا حکم دیا، پس نماز کے بعد اذکار مسنونہ کا ورد کرنا ہی صحیح ہے، جن کا ذکر صحیح احادیث میں آیا ہے۔ (فتاویٰ نور علی الدرب، ص:۴۰)

(۸۸) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی مسجد میں اکیلا نماز ادا کر رہا ہوتا ہے، اسی اثناء کوئی اور آکر اس کے ساتھ جماعت بننے کی نیت سے کھڑا ہوتا ہے، اب پہلے نماز پڑھنے والا آدمی ہاتھ کے اشارے سے یا دھکا دے کر

اسے اپنے سے دور کردیتا ہے، خاص طور پر وہ سمجھتا ہے کہ میں سنت یا نفل پڑھ رہا ہوں تو اس فرض پڑھنے والے کا امام کیسے بنوں، حالانکہ یہ غلط فہمی ہے، نفل پڑھنے والا آدمی فرض پڑھنے والے کی امامت کراسکتا ہے۔

فتاویٰ کی دائمی کمیٹی کے سامنے اس بارے میں سوال کیا گیا، جسے ہم فائدے کے لئے نقل کرتے ہیں:

سوال: اگر کوئی آدمی مسجد میں اکیلا نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی اور آدمی اس کے ساتھ جماعت بنانے کی نیت سے کھڑا ہوجائے، تو یہ جائز ہے یا نہیں، نیز اس حوالے سے فرائض اور نوافل کے درمیان کوئی فرق ہے یا نہیں؟

جواب: اس طرح کرنا جائز ہے، اور اس مسئلہ میں فرض و نفل کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، ایک اور سوال کے جواب میں لکھا ہے: حضرت معاذ بن جبل کے واقعہ کی روشنی میں نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز درست ہے، کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے کے بعد اپنے علاقے میں جاکر وہی نماز اپنی قوم کے لوگوں کو بھی پڑھایا کرتے تھے۔ (متفق علیہ)

(۸۹) بعض لوگ نماز جنازہ کے لئے امام کے دائیں ہی کھڑے ہوتے ہیں، چہ جائیکہ لوگوں کی تعداد اتنی کم ہو کہ ایک طرف کی صف بھی پوری نہ ہو سکے۔

مزید یہ کہ دائیں جانب کھڑے ہونے والے غالباً میت کے رشتہ دار ہوتے ہیں، اگر ایسا کرنے کی کوئی دلیل نہیں تو پھر ایسا کرنا غلط ہے، صحیح مسئلہ یہ ہے کہ تمام لوگ امام کے پیچھے مکمل صفیں بناتے ہوئے کھڑے ہوں، کیونکہ تمام نمازوں کے لئے عمومی طور پر صفوں کا سیدھا کرنا اور مکمل کرنا احادیث سے ثابت ہے، ان احادیث میں کسی خاص نماز کا ذکر نہیں بلکہ ہر قسم کی نماز کے لئے صفیں مکمل اور سیدھی رکھنے کا حکم ہے۔

فرمان نبوی ہے:

''تم بہر صورت اپنی صفیں سیدھی رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اندر اختلاف ڈال دے گا'' (صحیح بخاری، مسلم)

مزید فرمایا:

''اپنی صفیں سیدھی کرلو، بیشک صفوں کا سیدھا کرنا نماز کا حصہ ہے'' (صحیح بخاری، مسلم)

(۹۰) دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض مقتدی ایسے امام پر تنقید شروع کر دیتے ہیں جو قرآن پاک کی ترتیب کے خلاف سورتیں پڑھ لے، بعض نمازی تو اس حد تک تنقید کرتے ہیں کہ جیسے اس نے کوئی حرام کام کر دیا ہے، یہ سراسر جہالت ہے، کیونکہ اس بات پر علماء کا اختلاف ہے کہ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے یا اجتہادی جسے صحابہ کرام نے ترتیب دیا ہے، امام ابن تیمیہ، ابن کثیر اور دیگر اہل علم کے نزدیک سورتوں کی ترتیب صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجتہاد ہے۔

اس مسئلہ پر فتاویٰ کی دائمی کمیٹی کے سامنے درج ذیل سوال رکھا گیا:

سوال: ایک آدمی نے عشاء کی جماعت کراتے ہوئے پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ تبت پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۂ فیل پڑھ لی تو کیا نماز میں ترتیب قرآن کے حوالے سے بعد والی سورت پہلی رکعت میں اور پہلے والی سورت بعد کی رکعت میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں نماز درست ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ ترتیب قرآن کا خیال رکھا جائے، لہٰذا پہلی رکعت میں جو سورت

پڑھی جائے تو دوسری رکعت میں اس کے بعد والی کوئی سورت پڑھ لی جائے، اللہ ہی نیکی کی توفیق دینے والا ہے۔ (۱)

(۹۱) یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب دو آدمی ایک ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو ان میں سے امام مقتدی سے تھوڑا سا آگے ہو کر کھڑا ہوتا ہے، حالانکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس صورت میں امام اور مقتدی دونوں برابر کھڑے ہوں۔

امام بخاری نے اس موضوع پر باب باندھا ہے: "باب يقوم عن يمين الإمام بحذائه سواء إذا كانا اثنين" یعنی اگر دو نمازی ہوں تو مقتدی امام کے برابر دائیں جانب کھڑا ہو۔

انہوں نے اس عنوان کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک رات اپنی خالہ میمونہ کے گھر میں تھے...... کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سوئے پھر اٹھے اور نماز پڑھنا شروع کر دی، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب نماز کی نیت کے ساتھ کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھے اپنی دائیں جانب کر لیا۔

---

(۱) مجلۃ البحوث الإسلامیۃ: ۱۹/۱۴۸۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کا لفظ ''سواء'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ برابر کھڑے ہوئے، نہ آپ کے آگے نہ پیچھے۔

ابن جریج کے بارے میں روایت ہے، کہتے ہیں میں نے عطاء سے پوچھا: دو آدمی جماعت سے نماز پڑھیں تو وہ کیسے کھڑے ہوں؟ انہوں نے کہا: مقتدی امام کے دائیں طرف کھڑا ہو، میں نے پوچھا، کیا بالکل برابر کھڑا ہو جیسے صف ہوتی ہے، ایک دوسرے سے آگے پیچھے نہ ہوں؟ کہا: ہاں! میں نے کہا: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ دونوں ملے ہوئے ہوں اور ان کے درمیان فاصلہ نہ ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! (فتح الباری: ۱۹۰/۲، ۱۹۱)

(۹۲) بے شمار لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس وقت مسجد میں پہنچتے ہیں جب امام رکوع میں ہوتا ہے، لیکن وہ جس وقت اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جاتے ہیں امام سمع اللہ لمن حمدہ کہہ چکا ہوتا ہے اور وہ تھوڑی دیر زیادہ رکوع میں رہ کر کھڑے ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کی رکعت مکمل ہوگئی۔ یہ جہالت ہے، ایسے آدمی کی رکعت نہیں ہوتی، کیونکہ اس نے امام کے ساتھ رکوع میں شمولیت اختیار نہیں کی بلکہ اس کے رکوع میں جاتے جاتے امام اٹھ چکا تھا۔

فتاویٰ کی دائمی کمیٹی نے اس بارے میں یہ فتویٰ دیا ہے: جس نے امام کے رکوع سے اٹھتے وقت تکبیر تحریمہ کہی تو بیشک وہ اپنا رکوع کر بھی لے، اس کی یہ رکعت نہ ہوگی، اسی طرح جس نے تکبیر تحریمہ کہی، قیام کیا اور پھر رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع میں جا ہی رہا تھا کہ امام نے رکوع سے سر اٹھالیا تو اس کی یہ رکعت نہ ہوگی، کیونکہ اس نے امام کو رکوع کی حالت میں نہ پایا، رکعت تب ہوتی ہے جب مقتدی امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے۔ مذکورہ بالا حالتوں میں مقتدی کے لئے ضروری ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو اور رکعت مکمل کرے، البتہ جس آدمی نے امام کو رکوع میں پالیا یعنی تکبیر تحریمہ کہی پھر رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہو گیا اور سکون واطمینان کے ساتھ رکوع کیا تو جمہور علماء کے نزدیک اس کی رکعت درست ہے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''جب تم نماز میں پہنچو اور ہم سجدے میں رہیں تو تم بھی سجدہ کر لیا کرو، لیکن اس کو کچھ بھی شمار نہ کرو، ہاں جس نے رکوع پالیا اس نے نماز پالی، یعنی اس کی رکعت ہوگئی'' (ابوداود، حاکم، ابن خزیمہ)

ایک اور حدیث میں ہے:

''جس نے نماز میں امام کے ساتھ رکوع پالیا اس نے نماز پالی''
(صحیح بخاری ومسلم)

(۹۳) دورانِ نماز جب کسی کو یاد آئے کہ وہ بے وضو تھا یا وضو ٹوٹ گیا تو ایسی حالت میں نماز چھوڑنے کے لئے دائیں بائیں سلام پھیرنا درست نہیں ہے، چاہے نماز میں کھڑا ہو یا بیٹھا ہو، کیونکہ سلام کا تعلق تو نماز کے خاتمہ کے ساتھ ہے، مذکورہ بالا حالت میں جب وضو ٹوٹ جائے یا یاد آجائے کہ وہ بے وضو ہے تو فوراً نماز چھوڑ دے اور وضو کے لئے چلا جائے، ایسے موقع پر سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ حدیث کی روشنی میں سلام کا تعلق نماز کے اختتام سے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز شروع ہوتی ہے اور سلام کے ساتھ نماز ختم ہوجاتی ہے'' (احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ)

(۹۴) بعض نمازی آخری رکعت کا آخری سجدہ اتنا لمبا کردیتے ہیں کہ واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ یہ سجدہ کسی خاص اہمیت کا حامل ہے، بسا اوقات تو

یہ سجدہ پوری رکعت کے برابر تک لمبا کردیا جاتا ہے جو خلاف سنت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدہ میں تقریباً ایک جیسا وقت لگاتے تھے، البتہ بعض اوقات کوئی خاص وجہ ہو تو سجدہ کو لمبا کیا جا سکتا ہے، جیسے ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار نماز پڑھائی تو سجدہ بہت لمبا کردیا، لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! بیشک آپ نے اس نماز کے دوران اس قدر لمبا سجدہ کیا کہ ہم گمان کرنے لگے کہ کوئی خاص بات ہوگئی ہے یا پھر وحی آرہی ہے، آپ نے فرمایا: ایسی کوئی بات نہیں تھی بلکہ میرا یہ بچہ میرے اوپر بیٹھ گیا تھا، مجھے اچھا نہیں لگا کہ جلدی سے اتار دوں کہ اس کا اوپر چڑھنے کا مقصد ہی پورا نہ ہو۔ (صفۃ صلاۃ النبی، ص:۱۵۷)

مذکورہ بالا حالت تو سجدہ لمبا کرنے کا سبب بن گئی تھی لیکن خواہ مخواہ آخری رکعت کا آخری سجدہ لمبا کرنے کی عادت بنا لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ خلاف سنت ہے۔

(۹۵) ایک آدمی نماز میں تاخیر سے پہنچا اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر باقی نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک اور آدمی مسجد میں داخل ہوا اور اس

مسبوق کے ساتھ جماعت کی نیت سے کھڑا ہوا، لیکن مسبوق صاحب نے اسے دھکے سے پرے کر دیا اور انتہائی ناپسندیدگی کا اظہار کیا، حالانکہ یہ بالکل غلط انداز ہے، بعض لوگ اس طرح کی جماعت کرانے پر شدید تنقید کرتے ہیں، اس حوالے سے فتاویٰ کی دائمی کمیٹی کے سامنے یہ سوال کیا گیا:

سوال: ایک شخص کچھ رکعتیں گزرنے کے بعد جماعت میں شامل ہوا اور جب امام نے سلام پھیرا تو وہ اٹھ کر باقی رکعتیں مکمل کر رہا تھا، اسی اثناء میں ایک اور آدمی آ گیا، کیا اس نئے آنے والے کے لئے جائز ہے کہ نماز پوری کرنے والے شخص کے ساتھ بطور مقتدی کھڑا ہو کر نماز پڑھ لے؟

جواب: ہاں! یہ جائز ہے کہ آخر میں آنے والا نمازی پہلے سے موجود اس نمازی کو امام بنا لے جس کی کچھ رکعتیں جماعت سے رہ گئی تھیں اور وہ انہیں مکمل کر رہا تھا اور جب وہ سلام پھیرے تو اس کو امام بنانے والا مقتدی کھڑا ہو کر اپنی نماز مکمل کر لے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا:

''کیا کوئی ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھ لے'' (ابوداود، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم)

امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ اپنی خالہ میمونہ کے گھر سویا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور قیام اللیل شروع کر دیا، میں بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا، لیکن میں بائیں جانب کھڑا ہوا تو آپ نے میرے سر کو پکڑ کر مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

ان حدیثوں سے دلیل ملتی ہے کہ اکیلا نماز پڑھنے والا دوران نماز امام بن سکتا ہے اور فرض اور نفل میں کوئی فرق نہیں۔ صحیح رائے یہی ہے کہ جماعت کے بعد بقیہ نماز مکمل کرنے والا مسبوق شخص نئے آنے والوں کا امام بن سکتا ہے تاکہ وہ جماعت کا اجر پا سکے۔

(۹۶) **کبھی کبھار امام بھول کر زائد رکعت کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے،** جیسے چار رکعت والی نماز میں پانچویں کے لئے یا دو رکعت والی نماز میں تیسری کے لئے یا تین رکعت والی نماز میں چوتھی رکعت کے لئے۔ اس بھول کے وقت اکثر لوگ امام کے پیچھے ہی لگے رہتے ہیں، حالانکہ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ امام بھول چکا ہے، ایسی حالت میں امام کی اقتداء درست نہیں ہے، جب کبھی ایسی صورت

پیش آتی ہے تو مقتدی حضرات مختلف گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔

ایک قسم ایسے نمازیوں کی ہوتی ہے جنہیں صحیح علم نہیں ہوتا کہ امام کون سی رکعت میں ہے اور یہی گمان کرتے ہیں کہ امام ٹھیک ہی کر رہا ہوگا، ایسے نمازیوں کو امام کی اتباع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دوسری قسم ایسے مقتدیوں کی ہوتی ہے جو جانتے ہیں کہ امام زائد رکعت کے لئے کھڑا ہو رہا ہے، اسے لقمہ بھی دیتے ہیں، لیکن اگر امام زائد رکعت کے لئے کھڑا ہو ہی جاتا ہے تو یہ امام کی اتباع کی بجائے تشہد کے لئے بیٹھے رہ جاتے ہیں اور جب امام نماز پوری کر کے سلام پھیرتا ہے تو امام کے ساتھ سلام پھیرتے ہیں ان لوگوں کی نماز بھی صحیح ہوتی ہے۔

تیسری قسم کے لوگ بھی دوسری قسم کی طرح ہوتے ہیں، صرف فرق یہ ہوتا ہے کہ وہ امام کا انتظار نہیں کرتے بلکہ اپنا سلام پھیر دیتے ہیں ان کی نماز بھی درست ہوتی ہے لیکن دوسری قسم والے ان سے بہتر ہوتے ہیں یعنی امام کے ساتھ سلام پھیرنا افضل ہے۔

چوتھی قسم ایسے مقتدیوں کی ہوتی ہے جو یہ تو جانتے ہیں کہ امام زائد رکعت

پڑھ رہا ہے پھر بھی امام کی اتباع کرتے رہتے ہیں، اس قسم کے لوگ غلطی پر ہوتے ہیں۔

اس بارے میں فتاویٰ کی دائمی کمیٹی نے فتویٰ دیا ہے کہ جب امام چار رکعت والی نماز میں پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو اور اس کو یاد بھی کرایا جائے تب بھی پانچویں رکعت پڑھتا رہے تو ہر ایسے شخص پر جو سمجھ جائے کہ امام واقعی غلطی پر ہے، واجب ہے کہ امام کی اتباع نہ کرے بلکہ اپنی نماز پڑھ کر سلام پھیر لے یا بیٹھ کر انتظار کرتا رہے اور جب امام سلام پھیرے تو اس کے ساتھ سلام پھیر لے۔

شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ایسی حالت میں امام کی اتباع نہیں کرنی چاہئے بلکہ انتظار کرنا چاہئے، جب امام سلام پھیرے تو اس کے ساتھ سلام پھیر لے یہ زیادہ بہتر ہے، اور امام کے انتظار کئے بغیر بھی سلام پھیرا جا سکتا ہے۔
(مجموع فتاویٰ: ۲۳/۵۳)

مذکورہ صورت حال میں جس نے شرعی احکام سے جہالت کے سبب امام کی اتباع کی اس کی نماز درست ہے، اسی طرح وہ شخص جسے یہ پتہ ہی نہیں کہ

امام زائد رکعت پڑھ رہا ہے اور اس نے امام کی اقتدا کی تو ایسے شخص کی بھی نماز صحیح مانی جائے گی۔[1]

(۹۷) پارکوں اور باغیچوں میں نماز کا وقت ہو جائے تو مسجد کو چھوڑ کر وہیں نماز ادا کر لینا بھی درست عمل نہیں۔ اس مسئلے کے بارے میں جناب علامہ عبدالعزیز بن باز فرماتے ہیں: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ سیر گاہوں میں نماز ادا کرے، اگرچہ کسی موٹی مضبوط اور پاک چٹائی پر ہی کیوں نہ ہو بلکہ دوسرے نمازیوں کے ساتھ اللہ کے ان گھروں میں نماز باجماعت ادا کرنا واجب ہے، جس کے بارے میں رب کریم کا فرمان ہے:

﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ○ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ○ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن

(۱) مجلۃ البحوث: ۸۷/۱۵۔

فَضْلِهِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾(سورۃ النور:۳۶-۳۸)

''ان گھروں میں جن کے بلند کرنے اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ نے حکم دیا ہے وہاں صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے اور زکوۃ سے غافل نہیں کرتی ، اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ جائیں گی۔ اس ارادے سے کہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے بلکہ اپنے فضل سے اور کچھ اضافہ عطا فرمائے ، اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے شمار روزیاں دیتا ہے''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے اذان سنی اور پھر بھی مسجد میں نہیں آیا تو اس کی کوئی نماز نہیں سوائے اس کے جسے کوئی عذر لاحق ہو جائے'' (ابن ماجہ، دار قطنی ، ابن حبان ، حاکم واسنادہ علی شرط مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نابینا صحابی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول میرے ساتھ کوئی ایسا آدمی نہیں جو مجھے ہاتھ پکڑ کر مسجد لے آیا کرے، تو کیا میرے لئے اس بات کی رخصت ہے کہ میں گھر پر ہی نماز ادا کرلیا کروں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا آپ نماز کے لئے دی جانے والی اذان سنتے ہو؟ انہوں نے کہا، جی ہاں! فرمایا: تو پھر نماز کے لئے حاضر ہوا کرو'' (صحیح مسلم)

(۹۸) **بعض ائمہ کرام سلام پھیرتے ہوئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کو بہت لمبا کھینچتے ہیں** چاہے یہ دائیں جانب ہو یا بائیں جانب، ان کے اس فعل سے بعض مقتدی امام کے ساتھ ساتھ اور بعض پہلے ہی سلام پھیر دیتے ہیں، اس بارے میں فتاویٰ کی دائمی کمیٹی کے سامنے یہ سوال رکھا گیا۔

سوال: سلام پھیرنے میں امام کی اتباع کا کیا حکم ہے؟ کیا امام کے ساتھ ساتھ سلام پھیر دینا چاہیئے یا اس وقت سلام پھیرنا چاہیئے جب امام دونوں طرف سلام پھیر کر فارغ ہو جائے؟

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بلاشبہ امام اس لئے بنایا گیا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے، پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو'' (صحیح بخاری، مسلم)

دونوں طرف سلام پھیرنا نماز کے ارکان میں سے ہے، اس لئے امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے سے پہلے پہلے مقتدی کا ایک طرف سلام پھیر دینا جائز نہیں، کیونکہ اس طرح امام کی اتباع نہیں ہوتی بلکہ صحیح یہ ہے کہ امام دونوں طرف سلام پھیر لے تو پھر مقتدی دونوں طرف سلام پھیرے۔ [1]

(۹۹) نماز کے بعد اجتماعی طور پر دعا مانگنا بھی بدعت ہے، اس بارے میں جناب علامہ محمد عثیمین رحمہ اللہ سے یہ سوال کیا گیا: کیا نماز کے بعد امام کے لئے اجتماعی طور پر دعا مانگنا جائز ہے؟

جواب: یہ بدعت ہے، نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا نہ ہی صحابہ میں سے کسی نے ایسا کیا، نماز کے بعد مقتدیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ ذکر کرنا سنت ہے، یہ کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا کرتا تھا اور صحابہ کرام اونچی آواز سے ذکر کرتے تھے۔

---

(۱) مجلۃ البحوث الاسلامیۃ: ۹۱/۱۲۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہوتے تو اونچی آواز سے ذکر کرتے۔[1]

(۱۰۰) نماز میں جب بھی کوئی ایسی آیت پڑھی جائے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام اور صفات کا ذکر ہو تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے رہنا درست نہیں ہے، جیسے: ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ﴾ (سورۃ الحشر:۲۲) یہ اشارہ نماز میں ایسا زائد عمل ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا جو بھی طریقہ ہم تک نقل ہو کر پہنچا ہے اس میں اس طرح شہادت کی انگلی ہلانا ثابت نہیں، نہ ہی اس بارے میں ہمیں لمبی تحقیق و بحث کے باوجود کوئی دلیل ملی ہے۔

(۱۰۱) جب امام تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہتا ہے تو بعض لوگ پیچھے سے (عزوجل) کہتے ہیں، پھر تکبیر تحریمہ کہتے ہیں، یہ بدعت ہے اور رسول صلی اللہ

---

(۱) فتاویٰ نور علی الدرب:۱/۱۲۰۔

علیہ وسلم کی تعلیمات کے بالکل منافی ہے، آپ نے کبھی اس بات کا حکم نہیں دیا کہ جب میں تکبیر تحریمہ کہوں تو تم یہ الفاظ کہا کرو بلکہ آپ نے فرمایا:

"بیشک امام اس لئے بنایا گیا ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے، پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہا کرو" (صحیح بخاری و مسلم)

(۱۰۲) **بعض مساجد میں دیکھا جاتا ہے کہ چھوٹے بچوں کے لئے مسجد کے** بالکل آخری حصے میں صف بنا دی جاتی ہے جو خلاف شرع فعل ہے اور دو طرح سے یہ جہالت بھی ہے، ایک تو تمام بچوں کو اس طرح ایک صف میں بلا شرعی دلیل کے جمع کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے اور اگر یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے کہ بچے نمازیوں کے درمیان شور کرتے ہیں اور باقی نمازیوں کی نماز خراب کرتے ہیں تو پھر ان کو اس طرح ایک جگہ جمع کر دینا تو اور بھی خطرناک ہے، کیونکہ بچے اکٹھے ہو کر زیادہ شور وغل مچاتے ہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ ممکن ہے وہ زیادہ ہنگامہ نہ کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کو مسجد کے آخری کونے میں اس طرح جمع کرنا کہ درمیان میں کئی صفیں خالی ہوں، یہ بھی غلط فعل ہے کیونکہ صفوں کو آپس میں جوڑنے اور مکمل کرنے کا حکم ہے۔

(۱۰۳) سجدے کی حالت میں مٹھی بند کر کے زمین پر رکھنا بھی غلط ہے، صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں" (صحیح بخاری، مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدوں میں اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھتے تھے اور بچھا دیتے تھے (ابوداود، حاکم) اور ہاتھوں کی انگلیاں باہم جوڑے رکھتے (ابن خزیمہ، بیہقی، حاکم) انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب ہوتا (بیہقی، ابن ابی شیبہ)

(۱۰۴) بعض لوگ نماز میں بہت بھاری غلطی کرتے ہیں، وہ غلطی یا تو جلد بازی کی وجہ سے یا لاعلمی اور لاپرواہی کی وجہ سے ہوتی ہے جس سے نماز باطل ہوجاتی ہے، وہ بہت بڑی غلطی امام سے پہلے ہی تکبیر تحریمہ کہہ دینا ہے، اس فعل سے ایک تو نماز باطل ہوجاتی ہے، دوسرے یہ کہ امام سے سبقت کرنے کا بہت بڑا گناہ بھی نمازی کے سر پڑ جاتا ہے، کیونکہ احادیث میں امام سے سبقت کرنے پر بڑی وعید آئی ہے اور یہ حرام ہے۔

علامہ محمد بن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر مقتدی نے امام سے پہلے ہی تکبیر تحریمہ کہہ دی تو اس کی نماز شروع ہی نہیں ہوئی، اس لئے اسے نماز لوٹانا ہوگی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بلاشبہ امام اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے، تو تم اس سے اختلاف نہ کرو (یعنی آگے پیچھے نہ ہو) پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو''

یعنی امام کی تکبیر کہنے کے بعد تکبیر کہنے کا حکم ہے، اب جو آدمی امام کی تکبیر سے پہلے ہی تکبیر کہہ دے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی اتباع نہ کی، وہ تو مندرجہ ذیل حدیث کے زمرے میں آتا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا عمل نہیں تو وہ مردود ہے''

اور اگر مقتدی نے کوئی اور رکن امام سے پہلے ادا کرلیا، جیسے امام سے پہلے ہی رکوع میں چلا گیا، اس کے لئے ہمارے نزدیک ضروری ہے کہ واپس کھڑا ہو جائے اور امام کے رکوع کے بعد پھر رکوع کرے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا یعنی واپس نہیں لوٹتا اور اسے اس بات کا علم ہی نہیں کہ امام سے پہلے کوئی رکن ادا کرنا حرام ہے، تو اس کی نماز کے صحیح ہونے میں اختلاف ہے، بعض

علماء کے نزدیک اس کی نماز نہیں ہوگی اور یہی درست مسلک ہے، کیونکہ اس نے حرام کام کا ارتکاب کیا ہے اور حرام کام سے عبادات باطل ہو جاتی ہیں۔

اور جن علماء کا کہنا ہے کہ لاعلم آدمی کی نماز ادا ہو جائے گی، وہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص بہرحال گناہ گار تو ہوگا مگر اس پر وہ رکن لوٹانا ضروری نہیں۔ (۱)

(۱۰۵) قرآن کی آیات کو بار بار غلط پڑھنا بھی غیر مناسب ہے، خاص طور پر بعض حضرات سورہ فاتحہ میں زیر، زبر اور پیش کی ایسی خطرناک غلطی کرتے ہیں جس سے معنیٰ ہی الٹ جاتے ہیں، مثال کے طور پر "أَنْعَمْتَ عَلَيهِم" کو "أَنْعَمْتُ عَلَيهِم" یا "إِيَاكَ نَعبُدُ" کو "إِيَاكِ نَعبُدْ" پڑھنا وغیرہ۔

(۱۰۶) بعض نمازی پوری نماز میں منہ بند کیے رہتے ہیں، ہونٹوں کو حرکت ہی نہیں دیتے، شروع سے لے کر نماز ختم کرنے تک، جو لوگ اس طرح دل ہی دل میں پڑھنے کے قائل ہیں ان کی تعداد زیادہ نہیں، مگر ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو حالت قیام میں خاموش رہتے ہیں اور سورۂ فاتحہ بھی

---

(۱) فتاویٰ نور علی الدرب، ص:۱۶۔

دل ہی میں پڑھتے ہیں اور پھر پورے قیام میں بالکل زبان کو حرکت نہیں دیتے جو غلط طریقہ کار ہے، کیونکہ صحیح حدیث میں آتا ہے: حضرت ابو معمر کہتے ہیں کہ ہم نے خباب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نماز میں قرآن پڑھتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! ہم نے پھر پوچھا آپ کو کیسے پتہ چلتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا: آپ کی داڑھی مبارک کے ہلنے سے ہمیں پتہ چل جاتا تھا۔ (صحیح بخاری)

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: جن مقامات میں ذکر یا قراءت واجب ہوتی ہے وہاں دوران نماز زبان ہلا کر ذکر اور تلاوت کرنا واجب ہے، جیسے قراءت تسبیح وغیرہ، البتہ جو زبان ہلا ہی نہ سکے وہ صاحب عذر ہے۔

(۱۰۷) حالت قیام میں ہاتھوں کو سینے کی بائیں جانب یعنی دل کے اوپر باندھنا بھی غلط ہے۔

اس طرح ہاتھ باندھنے والے دلیل یہ دیتے ہیں کہ دل پہ ہاتھ باندھنے سے خشوع وخضوع میں اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ دل ہی تو سارے بدن کو اپنی

منشا سے چلا تا ہے اور جب دل پر ہاتھ رکھ لئے جائیں تو وسوسوں وسوچ وفکر اور ذہنی انتشار سے بچا جا سکتا ہے اور پھر اس انداز سے کھڑا ہونا عاجزی وانکساری کی علامت سمجھا جاتا ہے، وغیرہ۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہترین طریقہ وہی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے اور خشوع وخضوع اس وقت حاصل ہوگا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر نماز پڑھی جائے، یعنی نماز کا وہ طریقہ جو خود آپ نے اختیار کیا، جس طریقہ پر صحابہ کرام کاربند رہے اور جو طریقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سکھایا، فرمان نبوی ہے:

''اس طرح نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا'' (صحیح بخاری)

رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو حالت قیام میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی پشت، کلائی اور بازو پر رکھتے اور کبھی کبھار دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑ لیتے اور سینے پر ہاتھ باندھتے۔ [1] (ابوداود)

---

(١) تفصیل کے لئے ''صفۃ صلاۃ النبی'' ص:٩٠٧ دیکھئے۔

(۱۰۸) بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی نمازی مسجد میں داخل ہوا تو اگلی صف بالکل مکمل تھی، اب وہ آگے پیچھے چکر لگاتا ہے کہ کہیں جگہ مل جائے یا انتظار کرتا ہے کہ کوئی آئے اور دونوں مل کر پیچھے کھڑے ہوں، جب کوئی بس نہیں چلتا اور وہ جانتا ہے کہ جماعت میں صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی (جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ کے اندر ہے) تو درمیان میں سے کسی نمازی کو پیچھے کھینچ کر صف بنالیتا ہے، اس عمل سے وہ اپنی ضرورت تو پوری کرلیتا ہے لیکن اس کے متعدد نقصانات مرتب ہوتے ہیں:

۱- اس نے صف توڑ دی اور اگلی صف میں خالی جگہ بچ گئی، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"جس نے صف کو جوڑا اللہ اس کو جوڑ دے اور جس نے صف توڑی اللہ اس کو توڑ دے" (احمد، ابوداود)

۲- اس نے پوری صف کو پریشان کیا، وہ اس طرح کہ سب حرکت کرنے پر مجبور ہوں گے تاکہ خالی جگہ پر کریں۔

۳- جس نمازی کو اس نے پیچھے کھینچا ہے اس کا خشوع وخضوع تو خاص

طور پر زائل ہوگیا اور پھر اس کو بہتر جگہ سے کم تر جگہ پر کھینچ لینا بھی غلط ہے (کیونکہ صف جتنی آگے ہو اتنا بہتر ہے)

آخر اس کا حل کیا ہے؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: جب کوشش کے باوجود نمازی اگلی صف میں جگہ نہ پا سکے تو پھر کوئی حرج نہیں کہ اکیلا ہی پچھلی صف میں کھڑا ہو کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کر لے۔ علامہ محمد بن عثیمین کہتے ہیں: علماء کے نزدیک یہی درمیانہ راستہ ہے۔[1]

(۱۰۹) **کچھ لوگوں کا خیال ہے** کہ جب تک امام سورۂ فاتحہ پڑھ نہ لے مقتدی کو شروع نہیں کرنی چاہئے، یعنی امام فاتحہ سے فارغ ہو پھر مقتدی سورۂ فاتحہ شروع کرے یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اس کے لئے کسی واضح دلیل کی ضرورت ہے، اس موضوع پر جو احادیث آتی ہیں وہ مطلق قراءت فاتحہ کے حکم میں ہیں، جن سے یہ معنی نہیں نکالا جا سکتا کہ مقتدی کسی خاص وقت میں قراءت شروع کرے گا بلکہ احادیث کا مقصود جو تحقیق کے بعد سامنے آتا ہے یہی ہے کہ مقتدی بھی سورۂ فاتحہ پڑھے، فرمان نبوی ہے:

---

(۱) دروس وفتاویٰ الحرم المکی لابن عثیمین، ص:۹۰۔

''جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ہی نہیں'' (صحیح بخاری، مسلم)

اور فرمایا:

''جس نے کوئی نماز پڑھی اور اس میں ام القران (فاتحہ) نہ پڑھی تو یہ نماز ناتمام ہے، ناتمام ہے، ناتمام ہے'' (صحیح مسلم)

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا:

''سورۂ فاتحہ کے علاوہ میرے ساتھ ساتھ نہ پڑھا کرو''

اور بھی اس موضوع میں احادیث وآثار موجود ہیں۔

علامہ عبدالعزیز بن باز سے پوچھا گیا کہ کیا مقتدی امام سے پہلے فاتحہ پڑھ سکتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس میں کوئی ممانعت نہیں۔

(۱۱۰) جب آپ مسجد میں داخل ہوں اور امام دوسری یا تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو رہا ہو تو آپ اس کے سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کر دیں، یہ خلاف شرع ہے، کیونکہ اس طرح آپ امام سے پہل کر دیں گے جو منع ہے، کیونکہ امام ابھی سیدھا کھڑا ہی نہیں ہوا کہ آپ نے رکعت شروع کر دی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے لوگو! بیشک میں تمہارا امام ہوں، پس رکوع میں، سجود میں، قیام میں، قعود میں اور سلام پھیرنے میں مجھ سے آگے نہ بڑھو (سبقت نہ کرو)'' (احمد، مسلم)

ایسی حالت میں مسبوق کو چاہئے کہ امام کو سیدھا کھڑا ہو لینے دے پھر تکبیر تحریمہ کہے تا کہ امام سے آگے بڑھنے کے زمرے میں نہ آئے۔

(۱۱۱) اگر کوئی مریض پہلو کے بل نماز پڑھنے سے بھی عاجز ہو تو اسے انگلی کے اشارے سے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ شیخ ابن عثیمین فرماتے ہیں: جہاں تک انگلی کے اشارے سے نماز پڑھنے کا تعلق ہے، جیسا کہ بعض بیمار حضرات کرتے ہیں تو یہ درست نہیں، میں نہیں جانتا کہ اس کی کوئی دلیل قرآن یا سنت یا اہل علم کے اقوال میں موجود ہے۔[1]

(۱۱۲) بعض لوگ مسجد میں اس وقت داخل ہوتے ہیں جب جماعت ختم ہو چکی ہوتی ہے اور امام تراویح شروع کر چکا ہوتا ہے، یہ لوگ مسجد کے ایک کونے میں جماعت عشاء شروع کر دیتے ہیں اور عشاء پڑھ کر تراویح کی

---

(۱) رسالۃ طہارۃ المریض وصلاتہ۔

جماعت میں شامل ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کی عشاء کی نماز تراویح پڑھانے والے کے پیچھے درست نہیں ہوتی ، یہ ان کی غلط فہمی ہے، تراویح والے کے پیچھے فرض نماز ہو جاتی ہے، یہی سوال فتاویٰ کی دائمی کمیٹی کے سامنے رکھا گیا، سوال و جواب ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

سوال: تراویح پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب: جی ہاں! تراویح پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز کے صحیح ہونے کے بارے میں دلائل موجود ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عشاء کی نماز باجماعت ادا کرتے اور پھر اپنے قبیلے والوں کے پاس جاتے اور انہیں وہی نماز دوبارہ پڑھاتے۔ (صحیح بخاری و مسلم)[1]

(۱۱۳) جب کوئی بندہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کے لواحقین اس کی طرف سے بعض نیک اعمال کرتے ہیں تاکہ اس کو ان اعمال کا ثواب پہنچے، جیسے حج،

---

(۱) مجلۃ البحوث الاسلامیۃ: ۷۹/۱۵۔

عمرہ، دعا وغیرہ۔ یہ تو بالکل جائز اور صحیح کام ہے، اس بارے میں دلائل موجود ہیں، لیکن بعض لوگ میت کی طرف سے نمازیں ادا کرنا شروع کر دیتے ہیں، یہ نمازیں ہر روز یا ہر جمعہ یا مختلف اوقات میں ادا کی جاتی ہیں تا کہ ان کا ثواب میت کو ملے، یہ غلط کام ہے۔

فتاویٰ کی دائمی کمیٹی سے ایک عورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس کا بیٹا فوت ہو گیا ہے اور وہ ہر جمعہ کو اس کی طرف سے دو رکعتیں نماز ادا کرتی ہے، کیا یہ عمل درست ہے؟

کمیٹی نے جواب دیا: یہ جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم نہیں دیا، بلکہ یہ تو بدعت ہے، اس کے لئے جائز یہ ہے کہ دعا اور صدقہ وخیرات کرے۔ (۱)

(۱۱۴) کچھ خواتین جہری نمازوں میں سری قراءت کرتی ہیں، یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی نہیں سنا سکتیں، یہ خلاف سنت ہے، بلاشبہ جہری نمازوں میں جہری قراءت کرنا سنت نبوی ہے۔

---

(۱) مجلۃ البحوث الاسلامیۃ: ۱۴/۱۲۰۔

جناب شیخ صالح فوزان حفظہ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: جہاں تک سری اور جہری قراءتوں کا تعلق ہے تو اس میں مرد اور عورت کی تخصیص نہیں ہے، دونوں کے لئے مسنون ہے، رات کی نمازیں جہری ہوتی ہیں اور دن کی سری، ہاں اگر خاتون کے قریب کوئی ایسا مرد ہو جس کو آواز پہنچانا غلط ہے تو پھر وہ سری قراءت کرے، کیونکہ اس حالت میں بلند آواز فتنہ پیدا کرسکتی ہے اور اگر مردوں سے علیحدہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ جہری قراءت کرے۔ (۱)

(۱۱۵) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جماعت کے لئے اقامت ہوجاتی ہے لیکن جماعت کھڑی ہونے میں کچھ دیر کی تاخیر ہوجاتی ہے، جس کا کوئی بھی سبب ہوسکتا ہے، اب دوبارہ اقامت کہنا غلط ہے، دوسری مرتبہ اقامت کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ پہلی اقامت ہی کافی ہوتی ہے۔

اس موضوع پر امام بخاری نے اپنی کتاب میں ایک باب رقم کیا ہے، کہتے ہیں: باب ''اقامت کے بعد امام کو کوئی ضرورت پیش آنے کے بارے

---

(۱) فتاویٰ نور علی الدرب، للفوزان: ۱/۲۰۔

میں"اور حضرت انس کی روایت کردہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز کے لئے اقامت ہو چکی تھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک کونے میں کسی آدمی سے گفتگو فرما رہے تھے تو آپ کھڑے نہ ہوئے یہاں تک کہ سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ (فتح الباری: ۲/۱۲۴)

(۱۱۶) نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد خاموش رہنا اور پھر سلام پھیرنا صحیح عمل نہیں ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد بھی دعا کرے، حضرت عبداللہ بن اوفیٰ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بچی کی نماز جنازہ پڑھی، آپ نے چار تکبیریں کہیں اور چوتھی تکبیر کے بعد اتنی دیر ٹھہرے رہے جتنا وقت دو تکبیروں کے درمیان ہوتا ہے اور دعا کرتے رہے، پھر کہنے لگے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے (ایک روایت میں ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد کچھ دیر کھڑے رہے)[1] (احمد، بیہقی)

---

(۱) تفصیل کے لئے "احکام الجنائز از شیخ البانی، ص: ۱۲۶، اور مسند عبداللہ بن ابی اوفیٰ، ص: ۱۲۹، تحقیق شیخ سعد الحمید ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۱۷) **بعض نمازیوں کا خیال ہے** کہ پاؤں کی انگلیوں کو دیکھ کر صفیں سیدھی کرنی چاہئیں، یعنی تمام نمازیوں کے پاؤں کی انگلیاں ایک ساتھ ہوں، حالانکہ اس طرح صف سیدھی نہیں ہوتی، اور پھر یہ سنت نبوی کے خلاف ہے، حدیث کی روشنی میں صفیں ٹخنے، گھٹنے اور کندھوں کو برابر کرنے سے سیدھی ہوتی ہیں۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (جماعت کھڑی ہونے سے پہلے) لوگوں کی طرف رخ کیا اور فرمایا:

> ''اپنی صفیں سیدھی کرلو، اپنی صفیں سیدھی کرلو، اپنی صفیں سیدھی کرلو، اللہ کی قسم! تم بہر صورت اپنی صفیں سیدھی کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا کردے گا'' (احمد، ابوداود، ابن حبان)

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ہر آدمی ساتھ والے آدمی کے کندھے کے ساتھ کندھا، گھٹنے سے گھٹنا اور ٹخنے سے ٹخنہ ملا رہا تھا۔

جناب علامہ محمد صالح عثیمین سے سوال کیا گیا کہ صفیں سیدھی کرنے کا صحیح طریقہ پاؤں کی انگلیوں کو برابر رکھنا ہے یا ٹخنوں کا برابر رکھنا ہے؟

انہوں نے فرمایا: ٹخنوں اور ایڑیوں کے آخری حصوں کا آپس میں ملانا

صفیں سیدھی کرنے کا صحیح طریقہ ہے، انگلیوں کے سرے ملانے سے صفیں سیدھی نہیں ہوتیں، اس لئے کہ انسانی جسم ایڑیوں پر کھڑا ہوتا ہے اور انگلیاں تو پاؤں کے سائز کے حساب سے مختلف ہوتی ہیں، لمبے پاؤں اور چھوٹے پاؤں والے دو آدمیوں کی انگلیاں برابر رکھوائی جائیں تو صف سیدھی نہیں ہوسکتی، البتہ ایڑیوں کے ذریعے صف سیدھی ہوسکتی ہے اور ٹخنوں کا ٹخنوں سے ملانا صحابہ کرام سے ثابت ہے، بیشک صحابہ رضی اللہ عنہم ٹخنے ملا کر صفیں سیدھی کرتے تھے، یعنی ہر نمازی اپنا ٹخنہ ساتھ والے نمازی کے ٹخنے سے جوڑ لیتا تھا، اس طرح کرنے سے صفیں سیدھی ہوتی ہیں، اس لئے جب صفیں بنائی جائیں تو ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے ساتھ والے نمازی کے ٹخنوں سے ٹخنے ملائے۔ یہ سب کچھ صرف صفیں سیدھی کرنے کے لئے ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلسل ملائے ہی رکھے اور پوری نماز کے دوران ذرا بھی جدا نہ کرے۔(۱)

(۱۱۸) کچھ لوگ نماز سے پہلے یا بعد کی سنتیں پڑھتے ہوئے باآواز بلند قراءت کرتے ہیں، یعنی ظہر یا مغرب کی سنتیں پڑھتے ہوئے بلند آواز سے قراءت

---

(۱) دروس وفتاویٰ فی الحرم المکی لابن عثیمین، ص: ۷۵۔

کرتے ہیں ، جو کہ درست نہیں ہے، ایسے کاموں کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

(۱۱۹) **بعض لوگ درود شریف اس طرح پڑھتے ہیں:** اللھم صلّ علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد کما صلیت علی ...... الخ یعنی "سیدنا" کا اضافہ کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہمارے سید اور سردار ہیں اور ہمیں اس بات پر فخر ہے، ہمارے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہی نہیں بلکہ تمام لوگوں کے سید اور سردار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں روز قیامت تمام انسانوں کا سردار ہوں گا" (صحیح بخاری، مسلم)

"میں روز قیامت تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا" (صحیح مسلم، ابوداود)

اس سب کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ اس طرح ہم درود شریف پڑھیں جیسے آپ خود پڑھتے تھے، آپ نے فرمایا:

"اس طرح نماز پڑھو جیسے تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو" (صحیح بخاری)

بحث وتحقیق کے ماہر بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ درود شریف کے مختلف الفاظ اور صیغے وارد ہیں مگر اس کے باوجود سید کا لفظ کسی حدیث میں ثابت نہیں ہے۔

جناب شیخ صالح فوزان اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:
کوئی عاقل ہوشمند آدمی اس بات کا انکار نہیں کرتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اولاد آدم کے سید اور سردار ہیں، ہر صاحب عقل مسلمان اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ آپ سید البشر ہیں اور سید کے لئے عزت وبزرگی، اطاعت وفرمانبرداری اور امامت لازمی ہوتی ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تو اللہ کی اطاعت ہے:

﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء:۸۰)
”جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی“

ہم سب اہل ایمان اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کر سکتے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سید وسردار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

ہم سب سے بلکہ سارے جہان والوں سے بہتر اور افضل ہیں، اللہ کے نزدیک آپ سے افضل کوئی نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہمارے اوپر فرض ہے، ہمارا عقیدہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم آپ کو اپنا سید اور مطاع تسلیم کریں اور جو کچھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا عمل کیا یا عقیدہ ہمیں بتایا اس سے ذرہ برابر بھی کمی یا بیشی نہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تشہد میں درود شریف پڑھنے کی جو کیفیت اور عبارت بتائی ہے اسی کو ہم پڑھیں، اور وہ یہ ہے:

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ" یا اس جیسا دوسرا انداز جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

یہ درود شریف مختلف انداز میں احادیث میں وارد ہے، لیکن جس کا ذکر سائل نے کیا ہے اس درود شریف کے بارے میں مجھے علم نہیں اور سائل نے اس درود شریف کے بارے میں پوچھا ہے، اللهم صلّ علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد ...... جب یہ انداز رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سے ثابت نہیں ہے تو پھر بہتر یہی ہے کہ ہم بھی اس طریقہ سے درود شریف نہ پڑھیں، بلکہ اس طریقہ اور عبارت سے درود شریف پڑھیں جو ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے۔[1]

(۱۲۰) ایک بہت بڑی غلطی یہ ہے کہ بعض لوگ بڑے شوق سے روزے رکھتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے۔

اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ محمد عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
بعض اوقات انسان اپنی پسندیدگی سے ایسے کام کرتا ہے جن کا درحقیقت اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ بعض لوگ بڑی دلچسپی، لگن، محبت اور شوق سے روزہ رکھتے ہیں لیکن نماز کے نزدیک ہی نہیں جاتے، مجھے بتایا گیا کہ لوگ روزہ تو رکھتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ میں اللہ کو گواہ بنا کر پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ جو آدمی روزہ رکھتا ہے مگر نماز ادا نہیں کرتا اس کا روزہ باطل ہے وہ بالکل قبول نہیں ہوگا، اسی بات پر قرآن وحدیث دلالت کرتے ہیں اور میرے علم کے مطابق اس بارے

---

(۱) فتاویٰ نور علی الدرب للشیخ الفوزان، ص: ۱۳،۱۴۔

میں کسی صحابی کی رائے بھی مختلف نہیں ہے، اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ نماز نہ پڑھنے والا ایسا کافر ہے جس کا ملت اسلامیہ سے کوئی تعلق نہیں، جب وہ ایسا کافر ہے جس کا مسلمانوں سے کسی بھی قسم سے کوئی رشتہ اور نسبت باقی نہیں رہتی یعنی خارج از ملت ہے تو پھر اس کو اس کا روزہ، صدقہ، زکوٰۃ، حج اور کوئی بھی نیک عمل کوئی فائدہ نہیں دے گا، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا﴾ (الفرقان:۲۳)

''اور انہوں نے جو جو اعمال کئے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا''

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ﴾ (التوبۃ:۵۴)

''کوئی سبب ان کے خرچ کی قبولیت کے نہ ہونے کا اس کے سوا نہیں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں''

یعنی ایسا خرچ جس کا فائدہ اور نفع متعدی ہو، کافر کی طرف سے قبول نہیں ہوتا، نہ ہی اس کا اسے فائدہ پہنچے گا، اگر چہ وہ نفع متعدی ہی کیوں نہ ہو تو پھر ان مخصوص عبادات کا نفع انہیں کیسے ملے گا جن کا تعلق صرف ان کی ذات سے ہے، جیسے روزہ جس کا تعلق صرف اور صرف انسان اور رب کے درمیان ہوتا ہے، لہٰذا جب کافر کا صدقہ قبول نہیں تو روزہ بدرجہ اولیٰ قبول نہیں ہوگا۔ [1]

(۱۲۱) جہاز کے اندر سفر کرنے والوں کے ساتھ بعض اوقات ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ دوران سفر نماز کا وقت ہو جاتا ہے یا پھر ایسا وقت ہوتا ہے جس میں جمع بین الصلاتین ہو سکتی ہے اور اگر سفر لمبا ہو تو نماز کا وقت گزر بھی جاتا ہے، یا پھر نماز کا وقت ہی بہت کم ہوتا ہے، جیسے فجر کی نماز ہے۔ ایسی صورت میں بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سفر ہے اور سفر میں نماز کا وقت گزر جانے میں کوئی حرج نہیں، یہ غلط سوچ ہے، ایسے لوگوں کو چاہئے کہ جیسے بھی ممکن ہو نماز ادا کریں، اس موضوع پر درج ذیل سوال فتاویٰ کی دائمی کمیٹی کے سامنے رکھا گیا۔

---

(۱) دروس وفتاویٰ في الحرم المکی، ص: ۳۵۔

سوال: جب میں جہاز میں سفر کر رہا ہوں اور نماز کا وقت ہو جائے تو کیا میرے لئے جائز ہے کہ جہاز کے اندر نماز ادا کر لوں؟

جواب: الحمدللہ! جب جہاز میں دوران سفر ایسی نماز کا وقت ہو جائے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ سفر ختم ہونے تک نماز کا وقت گزر جائے گا تو اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ رکوع، سجود اور قبلہ رخ ہونے کی استطاعت کے مطابق جہاز کے اندر ہی نماز ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن:۱۶)

''پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک ممکن ہو اس پر عمل کرو''

البتہ اگر آپ جانتے ہیں کہ نماز کا وقت گزرنے سے اتنی دیر پہلے جہاز اتر جائے گا کہ اس کے بعد آپ نماز ادا کر سکتے ہیں یا پھر اس وقت میں اتر رہا ہے کہ دو نمازوں کو جمع کرنا ممکن ہو، جیسے ظہر کا وقت گزر جائے گا مگر عصر کا

باقی رہے گا تو دونوں کو جمع تاخیر کرلیا جائے گا یا پھر مغرب اور عشاء کے درمیان اترے گا یا پھر اندازہ یہ ہو کہ نماز کا آخری وقت گزرنے سے پہلے ہی جہاز اتر جائے گا اور نماز ادا کرنے کا وقت بھی مل جائے گا تو ایسی صورتوں میں جمہور علماء کے نزدیک جہاز کے اندر وقت شروع ہو جانے پر نماز ادا کرلینا جائز ہے واجب نہیں۔

(۱۲۲) جب کوئی جہری نماز کسی عذر کے سبب چھوٹ جائے (جیسے فجر کی نماز طلوع آفتاب کے بعد پڑھنا پڑے) تو نمازی یہ سمجھ کر اس نماز کو سری نماز کی طرح ادا کرتا ہے کہ اب جہر کا وقت گزر چکا ہے یعنی اس لئے بلند آواز سے قراءت نہیں کرتا کہ سورج طلوع ہو چکا ہے، بآواز بلند قراءت کرنے کا وقت باقی نہیں بلکہ بعض تو اونچی آواز سے قراءت کرنے والے کوٹوکتے ہیں حالانکہ درست مسئلہ یہ ہے کہ ایسی نماز جہری ادا کی جائے گی اور اگر سری نماز قضاء ہو جائے اور اسے رات کو پڑھنا ہو تو وہ بھی سری ہی رہے گی، رات کی وجہ سے جہری نہیں ہو جائے گی، فرمان نبوی ہے:

''جو نماز کے وقت میں سویا رہا یا بھول گیا، پس اسے چاہئے کہ جب بھی یاد آئے تو پڑھ لے، اس چھوٹنے کا اس کے سوا کوئی کفارہ نہیں''

(۱۲۳) **بعض لوگ لاپرواہی سے نماز کا وقت گزار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وقت گزرنے کے بعد بھی اگر نماز قضاء کر لی جائے تو گناہ نہیں ہوتا، ایسے لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں۔**

جناب علامہ محمد عثیمین فرماتے ہیں: اگر کوئی آدمی شرعی عذر کے بغیر نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرے تو اس کی نماز درست نہیں ہوتی، اسی طرح اگر کوئی شخص جان بوجھ کر فجر کی نماز طلوع آفتاب کے بعد ادا کرے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ اس پر اس نماز کی قضاء بھی جائز نہیں، کیونکہ اس نے بلا وجہ وقت پر ادا نہیں کی، ایسے آدمی کو اس کفریہ فعل پر اللہ تعالیٰ سے خلوص دل کے ساتھ توبہ کرنی ہوگی، بیشک توبہ اگر پوری شروط کے ساتھ کی جائے تو گذشتہ گناہوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر انسان جان بوجھ کر نماز بروقت ادا نہ کرے تو پھر چاہے اس کے عوض ہزار نمازیں پڑھ لے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ (۱)

---

(۱) دروس وفتاویٰ فی الحرم المکی لابن عثیمین، ص: ۳۷، ۳۸۔

(۱۲۴) مسجد نزدیک ہونے کے باوجود اپنے دفتروں ہی میں نماز ادا کرنا

بھی غلط ہے۔اس بارے میں فتاویٰ کی دائمی کمیٹی سے یہ سوال کیا گیا:

سوال: دفتر کے اندر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے، جبکہ نماز کا وقت ہوتے ہی ایک اچھا قرآن پڑھنے والا ثقہ اور بہتر آدمی ظہر کی اقامت کہتا ہے، پھر ہم سب اس کے پیچھے اکٹھے ہوکر دفتر کے اندر بنائی گئی مخصوص جائے نماز میں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں، اس طرح ہمارے ساتھ دفتر میں اپنے کاموں کے سلسلے میں آنے والے لوگ بھی نماز ادا کر لیتے ہیں، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ دفتر کے آس پاس مسجدیں بھی ہیں مگر وہاں ہماری جماعت چھوٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اسی طرح بہت سے دفتر میں کام کرنے والے افراد اور باہر سے آئے ہوئے لوگ بھی دفتر میں نماز نہ ہوتو کہتے ہیں ہم آگے راستے میں کہیں نماز ادا کرلیں گے، ہمارا کام ختم کیجئے، جبکہ دفتر میں نماز قائم کرنے پر یہ سب لوگ باجماعت نماز ادا کر لیتے ہیں؟

جواب: اگر دفتر کے قرب وجوار میں مسجدیں ہیں تو پھر آپ پر واجب ہے کہ کسی ایک مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کریں، اس لئے کہ مسجدوں میں

جا کر نماز باجماعت ادا کرنے کے حکم میں متعدد دلائل موجود ہیں اور اس طرح جو آدمی باجماعت نماز کے لئے مسجد میں نہیں آتا اس کے بارے میں وعید بھی احادیث میں موجود ہے۔ دفتر کے اندر باجماعت نماز آپ کے کام سے تعلق رکھتی ہے اور پھر آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس طرح دفتر کے ملازمین دفتر ہی میں رہیں گے، یہ مسجد میں نہ جانے کے لئے کوئی عذر نہیں ہے۔ (۱)

(۱۲۵) کیا باجماعت نماز صرف حضر ہی میں واجب ہے یا سفر میں بھی واجب ہی رہتی ہے؟

شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جماعت صرف گھر پہ موجودگی کے دوران ہی واجب نہیں، بلکہ سفر میں بھی اسی طرح واجب ہوتی ہے جس طرح حضر میں ہوتی ہے، اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر و حضر دونوں صورتوں میں جماعت سے نماز ادا کرتے تھے، سفر میں آپ نے کبھی بھی اکیلے نماز نہیں پڑھی، باجماعت نماز کے وجوب پر جو دلیلیں موجود ہیں ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ یہ حضر کے لئے ہیں سفر کے لئے نہیں، اس میں

---

(۱) فتویٰ رقم ۳۳۸۳ بتاریخ ۱۱/۱/۱۴۰۱ھ۔

کوئی فرق نہیں کہ بندہ سفر میں ہو یا حضر میں، مسافر ہو یا مقیم، اس لئے جب بھی دو آدمی سفر میں ہوں تو ان کے لئے اکیلے اکیلے نماز پڑھنا جائز نہیں بلکہ باجماعت ہی نماز پڑھنی ہوگی۔

آگے فرماتے ہیں: ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسافر ظہر یا عصر کی نماز کے لئے کسی مسجد میں اکیلا داخل ہوتا ہے اور وہاں چار رکعت کی جماعت کھڑی ہے، یعنی مقیم لوگ نماز ادا کر رہے ہیں، اس حال میں اس کے لئے لازم ہے کہ جماعت میں شامل ہو جائے، کیونکہ جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے، جبکہ دوگانہ یا قصر نماز پڑھنا سنت ہے، اس لئے واجب کو سنت پر مقدم رکھا جائے گا، بیشک اللہ تعالیٰ نے مقیم اور مسافر دونوں پر باجماعت نماز فرض کی ہے، اس لئے اسے علیحدہ دو رکعتیں قصر پڑھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ علماء کی ایک رائے کے مطابق جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہی نہیں بلکہ شرط ہے، تو پھر جماعت سے ہٹ کر نماز پڑھنا کیسے درست ہوگا۔ (۱)

---

(۱) فتاویٰ محمد بن ابراہیم، ۲/۲۶۵، ۲۶۶۔

(۱۲۶) **سب سے بڑی کوتاہی اور عظیم غلطی** جس کا ذکر ہم یہاں کر رہے ہیں یہ ہے کہ کچھ لوگ خود تو نماز پڑھتے ہیں ان کی بیویاں بالکل نماز نہیں پڑھتیں یا بیویاں نماز پڑھتی ہیں اور شوہر بے نمازی ہوتے ہیں ، وعظ ونصیحت اور نماز چھوڑنے کا حکم بیان کیے جانے کے باوجود بھی جان بوجھ کر نماز نہ پڑھنے پر مصر ہوتے ہیں۔

جناب علامہ عبدالعزیز بن باز سے تارک نماز کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: جو شخص بھی جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے وہ کافر ہے، یہی علماء کرام کا صحیح ترین قول ہے، یہاں تک کہ نماز کا منکر نہ بھی ہو پھر بھی کافر ہے اور اگر سرے سے نماز کا منکر ہے تو اس کے کافر ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دین اسلام کی چوٹی اور ستون نماز ہے اور اس کو اوج کمال پر پہنچانے والی چیز جہاد فی سبیل اللہ ہے" (احمد، ترمذی، باسناد حسن)

فرمان نبوی ہے:

"ہمارے اور ان کے درمیان حد فاصل نماز ہے، جس نے اس کو چھوڑا کفر کیا" (احمد واہل السنن باسناد صحیح)

مزید یہ کہ نماز کی فرضیت کو جھٹلانے اور انکار کرنے والا دراصل اللہ، اس کے رسول، اجماع امت اور تمام اہل ایمان کو جھٹلاتا ہے، اس کا کفر تو سستی اور لاپرواہی کرنے والے کے کفر سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔ بہر حال دونوں حالتوں میں (چاہے وہ نماز کی فرضیت کا انکار کر رہا ہو یا سستی سے نماز نہ پڑھ رہا ہو) اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس تارک نماز کو توبہ کرنے پر مجبور کرے اور اگر وہ توبہ نہیں کرتا اور نماز شروع نہیں کرتا تو قرآن وحدیث کے دلائل کی روشنی میں اسے قتل کر دیا جائے گا، اس لئے ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ تارک نماز کو چھوڑ دے، اس سے قطع تعلق کرے، اس کی دعوت قبول نہ کرے، یہاں تک کہ وہ توبہ نہ کرلے، البتہ اسے اچھی نصیحت کی جائے، اسے دین حق کی دعوت دی جائے، اسے دنیوی اور اخروی عذاب سے ڈرایا جائے جو اللہ نے نماز چھوڑنے والے کے لئے تیار کیا ہے، ہوسکتا ہے وہ باقاعدہ نماز پڑھنے لگے اور اللہ کی طرف پلٹ آئے اور اللہ اس کی توبہ قبول کرلے۔ (کتاب الدعوۃ، ص:۹۳)

(۱۲۷) جب مؤذن اذان فجر میں "الصلاۃ خیر من النوم" کہتا ہے تو لوگ اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں: "صدقت وبررت"

سنت یہ ہے کہ جب اذان سنیں تو وہی الفاظ دہرائیں جو مؤذن کہہ رہا ہوتا ہے، فرمان نبوی ہے:

"جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو جس طرح مؤذن کہتا ہے"

ہاں صحیح حدیث میں "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" اور "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کے بارے میں ہے کہ اس کو سننے کے بعد "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" کہا جائے۔

اس لئے جب مؤذن "الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ" کہے تو سننے والا بھی یہی الفاظ دہرائے۔

(۱۲۸) بعض لوگ جب اقامت کے وقت نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو "قَائِمِينَ لِلّٰهِ طَائِعِينَ" کہتے ہیں، جبکہ یہ خلاف سنت ہے۔

سنت یہ ہے کہ جو الفاظ اقامت کہنے والا کہے وہی دہرائے جائیں، جیسے اذان میں ہوتا ہے، پھر اقامت کے بعد وہی کچھ پڑھا جائے جو اذان کے بعد پڑھا جاتا ہے، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت کو بھی اذان ہی کہا ہے، فرمایا:

''ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے''

(۱۲۹) **اذان میں خلاف سنت امور میں سے یہ بھی ہے کہ** بعض لوگ جب اذان کے پہلے الفاظ سنتے ہیں تو کہتے ہیں ''حي الله ذكر الله'' جبکہ سنت یہ ہے کہ مؤذن کے الفاظ دہرائے جائیں، سوائے ''حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ'' اور ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' کے ان کے جواب میں ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ'' کہنا سنت ہے اور اذان ختم ہونے کے بعد مسنون دعا یہ ہے:

''اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّداً الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَحْمُوداً الَّذِي وَعَدْتَهُ''

(۱۳۰) **بعض مؤذن ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ''** کے بعد ''حَيَّ عَلَى خَيْرِ الْعَمَلِ'' دوبار کہتے ہیں جو خلاف سنت ہے، یہ جدید ترین بدعت ہے، جس کا وجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نہ تھا نہ ہی آپ نے اس کی تعلیم دی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: یہ لفظ ''حَيَّ عَلَى خَيْرِ الْعَمَلِ'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، جو اذان آپ نے بلال اور ابو محذورہ کو سکھائی اس میں یہ اضافہ نہیں ہے، اس لئے ہم سنت اذان پر اضافے کو

پسند نہیں کرتے، اللہ ہی بھلائی کی توفیق دینے والا ہے۔ (سنن کبریٰ بیہقی، ۴۲۵/۱)

(۱۳۱) اقامت ہوتے وقت یہ الفاظ بھی سننے میں آتے ہیں: ''اَللّٰهُمَّ أَحْسِنْ وَقُوفَنَا بَيْنَ يَدَيْكَ'' اور جو لوگ اقامت کے دوران نہیں کہہ پاتے وہ تکبیر تحریمہ سے پہلے ضرور کہتے ہیں، پھر نیت باندھتے ہیں، یہ بھی خلاف سنت ہے۔

سنت یہ ہے کہ نمازی اقامت ہی کے الفاظ دہرائے اور جب اقامت ختم ہو جائے تو کہے:

''اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّداً الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَحْمُوداً الَّذِي وَعَدْتَهُ''

(۱۳۲) جو آدمی اذان سنے، اس کے لئے سنت یہ ہے کہ وہی الفاظ دہرائے جو مؤذن کہتا ہے اور پھر کہے:

''اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّداً الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَحْمُوداً الَّذِي وَعَدْتَهُ''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اذان سننے کے بعد کہا: "اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِهِ الدَّعْوَةِ ......الخ روز قیامت اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہو جائے گی۔ (صحیح بخاری)

یہ دعا تو مسنون ہے، لیکن بعض لوگ اس دعا میں کچھ الفاظ اضافہ کرتے ہیں جو حدیث سے ثابت نہیں ہیں جیسے:

۱- "اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَسْأَلُكَ بِحَقِّ ھٰذِهِ الدَّعْوَةِ" جبکہ "اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ" کہنا سنت ہے۔ (ارواء الغلیل، ۲۶۱/۱)

۲- بعض کہتے ہیں "آتِ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا" جبکہ سنت ہے "آت محمداً" (حوالہ مذکور)

۳- بعض کہتے ہیں "آتِ مُحَمَّداً الْوَسِیْلَةَ والدَّرَجَةَ الْعَالِیَةَ الرَّفِیعَةَ " جبکہ سنت میں "الدرجة العالیة الرفیعة " کا ذکر نہیں ہے۔ (حوالہ مذکور)

۴- بعض لوگ دعا کے آخر میں یہ اضافہ کرتے ہیں: "إِنَّكَ لَا

تُخلِفُ الْمِيعَادِ '' جبکہ یہ اضافہ بھی سنت نبوی سے ثابت نہیں۔(حوالہ مذکور:۱/۲۶۰)

۵-بعض لوگ اسی دعا کے آخر میں ''یا اَرحم الراحمین'' کا اضافہ کرتے ہیں، جبکہ اس اضافہ کا کسی روایت میں ثبوت نہیں ہے، لہٰذا اس کا نہ پڑھنا ہی سنت ہے۔(۱)

(۱۳۳) بعض مؤذن اذان فجر کے بعد مسنون دعا مانگتے ہیں اور پھر اسپیکر ہی میں کہتے ہیں ''صَلُّوا هَدَاكُمُ اللّٰهُ'' نماز پڑھو اللہ تمہیں ہدایت دے، اس کا کیا حکم ہے؟ اس سوال کا جواب فتاویٰ کی دائمی کمیٹی نے یوں دیا:

شریعت کے مطابق صحیح سنت سے اذان کے جو الفاظ ثابت ہیں صرف اور صرف وہی الفاظ اذان میں ہونی چاہئیں اور اس میں جو بھی اضافہ ہوگا وہ بدعت ہے۔ واللہ اعلم (۲)

---

(۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رافعی نے اپنی کتاب محرر میں اس دعا کے اخیر میں ''یا ارحمٰن الراحمین'' کا اضافہ کیا ہے جبکہ اس کی ایک بھی سند ثابت و درست نہیں ہے۔ (التلخیص الحبیر ،۱/۲۱۰)

(۲) مجلۃ البحوث ۱۷/۵۷، ۵۸۔

(۱۳۴) جب تکبیر (اقامت) کہنے والا "لَا إِلَـهَ إِلَّا اللّٰـه" کہتا ہے تو بعض لوگ کہتے ہیں "حقاً لا إله إلا الله" جبکہ اذان اور اقامت میں وہی الفاظ دہرانا سنت ہے جو مؤذن کہہ رہا ہے اور آخر میں یہ دعا پڑھی جائے:

"اللَّهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّداً الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَحْمُوداً الَّذِي وَعَدْتَهُ"

اس بارے میں فتاویٰ کی دائمی کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا:

اقامت سننے والے کے لئے سنت یہ ہے کہ وہی الفاظ دہرائے جو اقامت میں کہے جارہے ہیں، کیونکہ یہ دوسری اذان ہے اس لئے اس کا جواب بھی اسی طرح دیا جائے گا جس طرح اذان کا جواب دیا جاتا ہے اور جب "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" اور "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کہا جائے تو سننے والا "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" کہے اور جب "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کہا جائے تو وہ بھی یہی الفاظ دہرائے، "أَقَامَهَا اللّٰهُ وَأَدَامَهَا" نہ کہے، کیونکہ اس بارے میں جو روایت آئی ہے وہ ضعیف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم مؤذن کی آواز سنو تو جو وہ کہتا ہے وہی کہو''

یہ حکم اذان اور اقامت دونوں کے لئے ہے، کیونکہ دونوں کو اصطلاح میں اذان کہا جاتا ہے، پھر ''لا إلہ إلا اللّٰہ'' سننے کے بعد درود وسلام پڑھے اور کہے''اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة ......الخ جیسا کہ اذان کے بعد کہا جاتا ہے، جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کے علاوہ کوئی ایسی صحیح دعا ہمارے علم میں نہیں جو اقامت ختم ہونے اور تکبیر تحریمہ سے پہلے مشروع ہو۔ اللہ ہی نیکی کی توفیق دینے والا ہے۔ وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه۔[1]

(۱۳۵) دعائے قنوت یا کسی اور مقام پر بلند آواز سے دعا کرنا، مثال کے طور پر انسان انفرادی نماز میں دعائے قنوت کے دوران بعض دعائیہ جملے باآواز بلند کہہ دے، یہ سب سنت کے خلاف ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (الأعراف:۵۵)

---

(۱) مجلة البحوث الاسلامیہ، ۶/ ۲۴۸، ۲۴۹۔

''تم لوگ اپنے پروردگار سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کیا کرو، واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں''

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابن جریج دعا میں بلند آواز، پکار اور چیخوں کو مکروہ سمجھتے تھے اور عاجزی وانکساری کا حکم دیتے تھے، پھر انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول عطاء خراسانی کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے: ابن عباس نے فرمایا: ''إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ'' اس سے دعاؤں اور دیگر تمام امور میں حد سے بڑھنے والے مراد ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، ۲/۲۳۹)

اور حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جب ایک وادی کے کنارے پہنچے تو ہم نے بآواز بلند تکبیر وتہلیل شروع کردی، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے لوگو! اپنے آپ کے ساتھ نرمی کرو، آہستہ بولو اور توقف کرو، بیشک تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، یقیناً وہ تمہارے ساتھ ہے، بلاشبہ وہ سننے والا اور قریب ہے'' (صحیح بخاری)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ طبری کے نزدیک ذکر ودعا میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور صحابہ وتابعین اور عام سلف صالحین کا بھی یہی موقف ہے۔ (فتح الباری، ۶/۱۳۵)

(۱۳۶) بعض ائمہ مساجد جب دعائے قنوت پڑھتے ہیں تو خاص طور پر اپنے ہی لئے دعا کرتے ہیں اور مفرد کا صیغہ استعمال کرتے ہیں، یعنی (میں اور مجھے) کی ضمیر استعمال کرتے ہیں، جیسے ''حسبي به كفيلا'' میرے لئے اللہ ہی کافی ہے ''حسبي به وكيلا'' اللہ ہی میرا کارساز ہے، بہر کیف امامت کرتے ہوئے صرف اپنی ذات کے لئے دعائیں مانگنا مناسب نہیں ہے۔

امام بغوی فرماتے ہیں: اگر امامت کر رہا ہو تو جمع کا صیغہ استعمال کرے یعنی (ہم اور ہمارا) کا استعمال کرے، جیسے: ''اللهم اهدنا وعافنا وتولنا وبارك لنا وقنا'' ''اے اللہ ہمیں ہدایت دے اور بخیرت رکھ، ہمیں اپنا دوست بنالے، ہمارا والی بن جا، ہمیں برکت عطا فرما اور ہماری حفاظت فرما (وغیرہ) اور صرف اپنے آپ کے لئے خصوصیت کے ساتھ دعا نہ کرے۔ (شرح السنۃ: ۳/۱۲۹)

جناب علامہ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جمع کے صیغہ سے دعا کرنی چاہئے یعنی کہے "اللھم اھدنا فیمن ھدیت......الخ" کیونکہ امام صرف اپنے لئے دعا نہیں مانگتا بلکہ مقتدیوں کے لئے بھی مانگتا ہے۔ (صلاۃ التر واتح، ص:۴۱)

(۱۳۷) **حد سے زیادہ لمبی دعا کرنا بھی درست نہیں،** کیونکہ قنوت میں زیادہ لمبی دعا سے مقتدی آزمائش اور تکلیف میں مبتلا ہو سکتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کو حکم دیا ہے کہ مقتدیوں کی ضروریات کا خیال رکھے، فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی امامت کرے تو ہلکی نماز پڑھائے، کیونکہ مقتدیوں میں کمزور، بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں، اور جب کوئی اکیلے نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی کرے" (صحیح بخاری، مسلم)

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"میں جب نماز میں داخل ہوتا ہوں تو میرا ارادہ ہوتا ہے کہ لمبی نماز پڑھاؤں، لیکن جب کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں، کیونکہ اس بچے کے ساتھ اس کی ماں کی ممتا کو میں جانتا ہوں" (صحیح بخاری، مسلم)

ہلکی نماز کا معیار یا انداز دیکھنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے، آپ کی نماز ہلکی اور کامل ہوتی تھی۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دعائے قنوت کو لمبا کرنا مکروہ ہے۔ (المجموع، ۳/۴۴۱)

(۱۳۸) دعائے قنوت وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد بعض لوگ اپنے ہاتھ اپنے چہروں پر پھیرتے ہیں، اس طرح کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے واضح اور صریح دلیل کی ضرورت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس بارے میں فرماتے ہیں: دعا میں ہاتھ اٹھانے کے حوالے سے کثیر تعداد میں احادیث ملتی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل پر دلالت کرتی ہیں، البتہ دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں ایسی ایک یا دو حدیثیں ملتی ہیں جو ضعیف اور کمزور ہونے کے سبب قابل حجت نہیں۔

(۱۳۹) بعض لوگ حالت رکوع میں اپنے پاؤں پر نگاہ رکھتے ہیں اور جب بیٹھتے ہیں تو اپنی گود میں نگاہیں مرکوز رکھتے ہیں۔ یہ عمل خلاف سنت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالت نماز میں سجدہ کی جگہ پر نگاہ رکھتے تھے اور جب نمازی

تشہد میں بیٹھا ہو تو اس کے لئے اختیار ہے چاہے اپنی شہادت کی انگلی کی طرف دیکھے، چاہے سجدے کی جگہ دیکھے، یہی سنت سے ثابت ہے۔

(۱۴۰) **نماز سے فارغ ہونے کے بعد بعض مخصوص اذکار ہیں،** کچھ لوگ یہ اذکار شروع کرتے ہیں تو (تعالیت) کا اضافہ کر دیتے ہیں، یعنی کہتے ہیں: "تبارکت وتعالیت یا ذا الجلال والإکرام" جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے "تعالیت" ثابت نہیں ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے: "تبارکت یا ذا الجلال والإکرام"[1]

(۱۴۱) **نماز کے بعد ذکر واذکار کرتے ہوئے** بعض لوگ جب آیۃ الکرسی پڑھتے ہیں تو "وھو العلي العظیم" کے بعد دو آیتیں اور بھی ملا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ بھی آیۃ الکرسی میں شامل ہیں اور بعض یہ تو جانتے ہیں کہ یہ زائد آیتیں آیۃ الکرسی میں شامل نہیں لیکن عادۃً ان کو بھی آیۃ الکرسی میں شامل کر لیتے ہیں، جبکہ سنت یہ ہے کہ صرف آیۃ الکرسی بطور ذکر پڑھی جائے۔

---

(۱) کشف الخفاء للعجلونی ۱/۱۸۶۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اس کے اور جنت کے درمیان موت کے علاوہ کوئی چیز حائل نہیں ہوتی'' (طبرانی، ابن حبان)[1]

(۱۴۲) بعض لوگ فرض نماز کے بعد ''أستغفر اللہ، أستغفر اللہ'' پانچ بار کہتے ہیں، بعض اوقات تو پانچ سے بھی زیادہ بار کہتے ہیں اور اس کے بعد ''أستغفر الله العظيم الجليل التواب الرحيم'' کہتے ہیں اور ساری عمر یہی ورد کرتے رہتے ہیں۔

یہاں ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ اللہ کا ذکر کرنا بہت ہی اچھا کام ہے، اس کا بہت بڑا اجر وثواب ہے، اللہ نے اپنے ذکر کو مؤمنین کے لئے اطمینان قلب کا باعث قرار دیا ہے، فرمایا:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللّٰهِ أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (الرعد: ۲۸)

---

(۱) مزید فائدہ کے لئے سلسلہ صحیحہ حدیث ۹۷۲ دیکھئے۔

"جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں یادرکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے"

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ذکر واذکار کرنے کی بہت زیادہ ترغیب دلائی ہے، حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے" (احمد، ترمذی)

افضل ذکر وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور ہدایات کے مطابق ہو چاہے اس ذکر کا تعلق کسی خاص وقت سے ہو یا خاص جگہ سے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمارے لئے بہترین نمونہ ہیں، آپ ہی کی اطاعت میں کامیابی ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (الأحزاب:۲۱)

"یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے ہر اس

شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے
اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد (ذکر) کرتا ہے"

جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ "استغفر اللہ" کہتے پھر:

"اللَّهُمَّ أنْتَ السَّلَام وَمِنكَ السَّلَام، تَبَارَكْتَ يَا ذَاالْجَلَال وَالإِكْرَام" کہتے۔

ایک روایت میں تَبَارَكْتَ ذَاالْجَلَال وَالإِكْرَام" آیا ہے، استغفار کے حوالے سے اس کے راوی امام اوزاعی طریقہ بتاتے ہیں کہ اس طرح کہا جائے: "أستغفر اللہ، أستغفر اللہ" (صحیح مسلم)

(۱۴۳) کچھ لوگ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سنت کے مطابق "اللَّهُمَّ أنْتَ السَّلَام وَمِنكَ السَّلَام، تَبَارَكْتَ يَا ذَاالْجَلَال وَالإِكْرَام" کہتے ہیں، لیکن اس کے بعد یہ اضافہ کرتے ہیں:
"وإليك يعود السلام" یا "وإليك السلام"۔

فتاویٰ کی دائمی کمیٹی نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے:

اصل بات یہ ہے کہ تمام اذکار اور عبادات اسی طرح ہونی چاہئیں جس طرح سنت سے ثابت ہیں ان کی کسی عبارت یا نص کو نہ تو کم کیا جا سکتا ہے نہ ہی زیادہ، اور نہ ہی اس کی کیفیت بدلنا جائز ہے، کتب حدیث میں زیر بحث ذکر کے حوالے سے جو عبارت ثابت ہے وہ درج ذیل ہے:

"اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَام وَمِنكَ السَّلَام، تَبَارَكْتَ يَا ذَاالْجَلَال وَالإِكْرَام" (صحیح مسلم)

ایک دوسری روایت میں ہے:

"تَبَارَكْتَ ذَاالْجَلَال وَالإِكْرَام" (صحیح مسلم)

(۱۴۴) **بعض لوگ فرض اور نفل نماز کے بعد بلند آواز سے درود وسلام پڑھتے ہیں اور بعض لوگ نماز فجر کے بعد بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں جو کہ خلاف سنت ہے۔**

فتاویٰ کی دائمی کمیٹی کا اس بارے میں یہ فتویٰ ہے:

عبادات کا تعلق اجتہاد سے نہیں ہوتا بلکہ یہ توقیفی ہیں، کسی کے لئے اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ اور شریعت کے خلاف عبادت کرنا جائز نہیں، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ﴾ (الشوریٰ:۲۱)

”کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی چیز داخل کی جس کا اس سے تعلق نہیں تو وہ مردود ہے“ (صحیح بخاری، مسلم)

اور مسلم میں ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے:

”جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا عمل نہیں ہے تو وہ مردود ہے“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا افضل ترین اعمال میں سے ہے لیکن جس انداز اور طریقہ سے پڑھنا سوال میں بیان ہوا ہے، اس طرح نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا، نہ ہی صحابہ نے، نہ ہی خلفائے راشدین میں سے کسی نے ایسا کیا، نہ تو یہ عمل نماز فجر کے بعد نہ ہی کسی اور نماز کے بعد

ثابت ہے، اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ساری خیر و بھلائی انہی بزرگ ہستیوں کی اتباع میں ہے، لہٰذا یہ عمل جو سوال میں ذکر ہے یہ بدعت ہے، نہ تو اکیلے نہ ہی دوسرے کے ساتھ مل کر ایسا کرنا جائز ہے۔ (۱)

(۱۴۵) بعض لوگ ایسے بیمار ہوتے ہیں کہ وضو کر سکتے ہیں نہ ہی تیمم، اس لئے نماز چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تندرست ہونے کے بعد نماز قضاء کرلیں گے، کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس حالت میں ان کے لئے جائز نہیں کہ نماز ادا کریں۔

شیخ محمد عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بہت سے مریض ایسے ہوتے ہیں جو وضو نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان کے پاس تیمّم کے لئے مٹی کا بندوبست ہوتا ہے اور پھر کپڑوں پر نجاست وغیرہ بھی لگی ہوتی ہے، ایسے لوگ کہتے ہیں: ہم برداشت اور انتظار کرتے ہیں جب اللہ صحت دے گا تو وضو و غسل کر کے کپڑے پاک صاف کر کے نمازیں ادا کرلیں گے۔

ایسے مریضوں کے لئے نماز تاخیر کرنا حرام ہے، انہیں کیا معلوم ہے کہ وہ

---

(۱) مجلۃ البحوث الاسلامیۃ، ۱۷/۷۰۔

نماز پڑھنے سے پہلے اس مرض میں مبتلا رہ کر فوت ہو جائیں، ایسے مریضوں کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ آپ کے اوپر واجب ہے کہ آپ جس حال میں ہیں اس حال میں نماز ادا کر لیں، اگر چہ آپ کے جسم پر ایسی نجاست لگی ہو جسے آپ دور نہیں کر سکتے اور آپ وضو بھی نہیں کر سکتے، تیمّم بھی نہیں کر سکتے، پھر بھی نماز پڑھیں۔ (۱)

(۱۴۶) وسوسہ بھی بہت بڑی بیماری ہے (اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے) وسوسہ مسلمان کی نماز میں بھی اثر انداز ہوتا ہے اور اس کو نفسیاتی بیمار بھی کر دیتا ہے، اسی خطرے کے پیش نظر میں نے بہتر سمجھا کہ اس موضوع پر اہل علم کی آراء آپ تک پہنچا سکوں۔

جناب شیخ محمد بن ابراہیم نے اس موضوع پر سوال کا جواب دیتے ہوئے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، انہوں نے کہا: لوگ طرح طرح کے سوالات کرتے ہیں، کہتے ہیں کیا یہ وسوسہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا یا نہیں؟ کیا اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے؟ کیا یہ وسوسہ آنا کہ مسجد میں جانے

---

(۱) دروس وفتاویٰ فی الحرم المکی لابن عثیمین ص: ۴۱۔

سے ریا کاری پیدا ہوتی ہے، اس لئے گھر ہی میں نماز ادا کرلی جائے، قابل قبول عذر مانا جائے گا یا نہیں؟ ان شیطانی خیالوں، شبہات اور وسوسوں سے بچنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

جواب: جہاں تک اس طرح کے وسوسوں کا تعلق ہے جن کا ذکر آپ نے اپنے سوال میں کیا ہے تو یہ وسوسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں پائے جاتے تھے، اور نہ ہی صحابہ کے زمانے میں کوئی ایسی روایت ملتی ہے، یہی رائے امام موفق الدین بن قدامہ نے اپنی کتاب ''ذم الموسوسین'' میں دی ہے اور ابن القیم نے اپنے شیخ علامہ ابن تیمیہ سے بھی یہی رائے نقل کی ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کیا وسوسہ سے نماز باطل ہوجاتی ہے؟ تو بعض وسوسے ایسے ہوتے ہیں جن سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، ابن قدامہ فرماتے ہیں: وسوسوں کی بعض اقسام ایسی ہیں جن سے نماز ٹوٹ جاتی ہے جیسے ایک لفظ یا حرف کو بار بار زبان سے ادا کرنا یعنی انسان کا ذہن اس قدر منتشر ہوجائے کہ وہ قرآن کے صحیح الفاظ بھی نہ ادا کرسکے، جیسے تحیات میں

اس طرح کہے: ''أت أت التحي التحي ''اور''اللہ اکبر''کو''اکلکبر''
اور''ایاک''کو''ایاکلک''کہے،اس طرح کے اضافے قراءت کے معنی ہی
بدل دیتے ہیں اور الفاظ اپنی اصلی صورت سے بالکل مختلف اور مہمل ہوجاتے
ہیں،اس طرح کے وسوسوں سے نماز باطل ہوجاتی ہے اور اگر امام ایسا کرے
تو سارے مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوجاتی ہے۔الغرض جو نماز اللہ کی سب
سے بڑی عظیم اطاعت کے لئے قائم ہوتی ہے وہ باعث مصیبت بن جاتی
ہے اور اللہ کی قربت کی بجائے اللہ سے دوری کا سبب بن جاتی ہے۔

اور بعض وسوسوں سے نماز باطل تو نہیں ہوتی بلکہ مکروہ ہوجاتی ہے،جیسے
صحیح طریقہ سے قراءت کرنے کی بجائے غلط اور غیر مشروع طریقہ سے قراءت
کرنا اور سنت رسول کی خلاف ورزی کرنا،اس سے انسان اللہ کے رسول اور
صحابہ کے طریقہ کے منافی کام کرنے کا مرتکب ہوتا ہے اور اگر وسوسہ کے
دوران آواز زیادہ اونچی ہوجائے تو باقی لوگوں کو تکلیف ہوگی،نیز لوگ اس
کے خلاف بھی ہوجائیں گے،جس کا سبب اس کی اپنی ذات ہوگی۔ایسے
آدمی کے اندر متعدد خلاف شرع امور جمع ہوجائیں گے،یعنی شیطان کی

اطاعت، سنت کی خلاف ورزی، انتہائی برے افعال، بدعات، اپنے آپ کو اذیت، وقت کا ضیاع، دوسرے نمازیوں کو اذیت اور اپنی بے عزتی جیسے امور وسوسے کا شکار ہونے والے میں جمع ہو سکتے ہیں۔ (ذم الموسوسین از ابن قدامہ)

تیسرا سوال یہ تھا کہ شیطان وسوسے میں مبتلا شخص کے ذہن میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ مسجد میں جانا اور باجماعت نماز پڑھنا دکھلاوہ اور ریاکاری ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کے وسوسوں کو خاطر میں لانا ہی جائز نہیں، اس وسوسے سے جماعت چھوڑنے کا جواز پیدا نہیں ہوسکتا بلکہ اس طرح تو شیطان سنت نبوی اور ہدایت نبوی کی خلاف ورزی کرنے کی کھلی دعوت دیتا ہے۔

نماز میں وسوسوں سے چھٹکارا کیسے پایا جائے؟ اس بارے میں امام مسلم نے اپنی صحیح کے باب ''کتاب الطب'' میں حدیث نبوی بیان کی ہے جس سے ہمیں وسوسے کا علاج ملتا ہے۔

حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! بیشک شیطان میرے، میری نماز اور میری قراءت کے درمیان حائل ہو گیا اور مجھے شک میں ڈال دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ وہ شیطان ہے جسے خنزب کہا جاتا ہے، جب تم اس کی آمد محسوس کرو (یعنی وسوسہ آئے) تو اللہ کی پناہ مانگو اور اپنے بائیں تین بار تھوک دیا کرو"

حضرت عثمان فرماتے ہیں: میں نے ایسا ہی کیا اور اللہ نے اس کو مجھ سے دور کر دیا۔ (۱)

---

(۱) فتاویٰ شیخ محمد بن ابراہیم، ۲/۱۹۱-۱۹۵۔

تیسرا باب
جمعہ کی غلطیاں

جمعہ کی غلطیاں

① غسل نہ کرنا:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہر بالغ پر جمعہ کے روز غسل کرنا واجب ہے'' (صحیح بخاری، مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لئے آئے تو اسے چاہئے کہ غسل کرے'' (صحیح بخاری، مسلم)

صحیح مسلم میں ہے:

''جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لئے آنے کا ارادہ کرے تو غسل کرے''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ ہر سات دنوں میں ایک دن غسل کرے، اس روز اپنے سر اور باقی جسم کو خوب دھوئے" (صحیح بخاری، مسلم)

۲ بروز جمعہ خاص طور پر خطبہ کے دوران لوگوں کی گردنیں پھلانگنا بھی غلط ہے، حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بروز جمعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آگے بڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جاؤ تم نے اذیت پہنچائی، دیر سے آئے اور لوگوں کو پیچھے ڈال دیا۔

اہل علم کے نزدیک جمعہ کے روز لوگوں کی گردنیں پھلانگنے کے حکم میں اختلاف ہے۔

امام ترمذی کہتے ہیں کہ اہل علم اس فعل کو برا سمجھتے ہیں اور شدید مکروہ قرار دیتے ہیں۔

امام شافعی کے حوالے سے ابو حامد کہتے ہیں کہ وہ اسے صریحاً حرام سمجھتے ہیں۔

اسی طرح امام نووی، ابوالمعالی اور ابن تیمیہ بھی گردنیں پھلانگنے کو حرام قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں: گزرنے کی جگہ نہ ہو تو کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا اگلی صف میں جگہ تلاش کرتا پھرے، چاہے وہ جمعہ کا دن ہو یا کوئی اور دن، یہ تو سراسر ظلم اور اللہ کی حدوں کو پھلانگنا ہے۔ (حاشیہ الروض المربع ۲/۴۸۰)

۳ خطبہ جمعہ کے دوران احتباء کرنا یعنی پیٹھ اور پنڈلیوں کو کسی کپڑے یا دونوں ہاتھ سے باندھ کر بیٹھنا غلط ہے:

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بروز جمعہ خطبہ کے دوران احتباء کرنے سے منع کیا ہے۔ (احمد، ابوداود، ترمذی، حاکم)[1]

ابن اثیر نے نہایہ میں احتباء کا معنی یہ کیا ہے کہ انسان اپنی رانیں اٹھا کر اپنے پہلوؤں سے چمٹا لے اور کپڑے یا دونوں ہاتھوں سے اپنی کمر اور ٹانگوں کو خوب اچھی طرح باندھ لے۔

---

(۱) ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے اور حاکم کے نزدیک یہ صحیح الاسناد ہے، ذہبی نے حاکم کی تائید کی ہے۔

ابن اثیر کہتے ہیں کہ اسی معنی میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز اس وقت احتباء سے منع کیا ہے جب خطیب خطبہ دے رہا ہو۔ اس فعل سے منع کرنے کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس طرح نیند آتی ہے، خطبہ نہیں سنا جا سکتا، وضو ٹوٹ سکتا ہے، اگر قمیص کے نیچے کوئی چھوٹا پاجامہ یا تہبند وغیرہ ہو تو ستر بھی کھل سکتا ہے۔

(۴) بروز جمعہ فجر کی نماز میں سورہ الم سجدہ اور سورہ دہر پڑھنے کو بعض لوگ واجب سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ غلط فہمی ہے۔ یہ بات تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ جمعہ کی فجر میں یہ دونوں سورتیں پڑھتے تھے، جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، مگر یہ وجوب اور مداومت کی دلیل نہیں ہے۔

ابن دقیق العید کہتے ہیں: حدیث کا یہ معنی نہیں ہے نہ ہی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہمیشہ یہ سورتیں پڑھی جائیں، بلکہ ان کا پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں۔ (۱)

---

(۱) عمدۃ الاحکام، ۲/۱۲۰۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے پوچھا گیا کہ بروز جمعہ ہمیشہ سورۃ سجدہ تلاوت کرنا واجب ہے یا نہیں؟ تو آپ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

الحمدللہ اس بات پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ بروز جمعہ فجر کی نماز میں سورۃ الم تنزیل جس میں سجدہ ہے یا کوئی اور سجدے والی سورت پڑھنا بالکل واجب نہیں، پس جو آدمی بھی یہ سمجھتا ہو کہ یہ واجب ہے یا یہ سورت نہ پڑھنے والے پر تنقید کرے تو وہ خطا کار اور گمراہ ہے، اسے توبہ واستغفار کرنا چاہیئے، یہی تمام ائمہ کا مسلک ہے، پھر فرمایا: ہمیشہ یہ سورت تلاوت نہیں کرنی چاہیئے تا کہ کم علم اور جاہل کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ واجب ہے اور اس کو چھوڑنے والے گناہگار تصور کر لئے جائیں، اس لئے کبھی کبھی اس کو نہ پڑھنا ہی زیادہ مناسب ہے، واللہ اعلم۔ (الفتاویٰ ۲۴/۲۰۴-۲۰۵)

امام ابن تیمیہ مزید فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سورتیں مکمل طور پر تلاوت فرماتے تھے، اس لئے سنت یہی ہے کہ جو بھی پڑھے دونوں سورتیں پوری پڑھے۔

⑤ بروز جمعہ خلاف شرع کاموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دوران خطبہ بآواز بلند درود وسلام اور صحابہ کے لئے "رضی اللہ عنہم" کا لفظ استعمال کیا جائے۔

جناب علامہ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام اور صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہم دورانِ خطبہ جمعہ با آواز بلند کہنا بدعت اور غیر مشروع عمل ہے اس عمل سے ہر دور کے علماء کی اکثریت نے منع کیا ہے اور ان کے منع کرنے کے چند اسباب ہیں:

(۱) ایک یہ کہ یہ عمل دین میں اضافہ کیا گیا ہے اور ہر نئی بات بدعت ہے، یہ کام عہد رسالت، عہد صحابہ اور عہد تابعین میں کبھی نہیں ہوا اور اگر یہ کوئی صحیح کام ہوتا تو وہ خیر القرون والے ہم سے پہلے کئے ہوتے۔

(۲) احادیث میں دورانِ خطبہ خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جمعہ کے روز دوران خطبہ اگر تم نے اپنے ساتھ والے سے کہا خاموش ہو جاؤ تو تب بھی تم نے لغو کام کیا''

کتاب ''الباعث علی إنکار البدع والحوادث'' میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا دعا ہے اور ہر قسم کی دعاؤں سے متعلق سنت یہی ہے

کہ پست آواز سے کی جائیں۔ (جب تک کہ کسی خاص موقع پر اونچی دعا کرنا ثابت نہ ہو)

⑥ بعض لوگ دوسری اذان کے دوران مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور کھڑے ہو کر پوری توجہ سے اذان سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں، پھر اذان کے بعد جب خطیب خطبہ شروع کر دیتا ہے تو تحیۃ المسجد پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس عمل سے اذان سننے والے کا سنت سے لگاؤ اور شوق کا اندازہ تو ہوتا ہے لیکن واجب کے مقابلے سنت ادا کرنا بھی مناسب نہیں، کیونکہ اذان سننا سنت ہے اور خطبہ سننا واجب ہے۔

جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں آنے والے کے لئے لازم ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے تمام کاموں سے فارغ ہو کر خطبہ کے لئے یکسو ہو کر بیٹھ جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی بروز جمعہ مسجد میں داخل ہو اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہئے کہ دو مختصر رکعتیں ادا کرے" (صحیح مسلم، احمد، ابوداود)

امام شوکانی فرماتے ہیں: مختصر رکعتیں پڑھنے کا حکم ہے تا کہ پوری توجہ کے ساتھ خطبہ سننے کے لئے بیٹھا جا سکے۔ (نیل الاوطار ۳/۲۹۳)

⑦ نماز جمعہ کے فوراً بعد بغیر کوئی بات چیت کئے دوسری نماز پڑھنا بھی خلاف سنت ہے، حضرت سائب بن اخت نمر فرماتے ہیں: میں نے حضرت معاویہ کے ساتھ مقصورہ میں نماز جمعہ ادا کی، جب امام نے سلام پھیرا تو میں اٹھا اور نماز پڑھنا شروع کر دیا، جب معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی جگہ پر چلے گئے تو انہوں نے مجھے بلوایا اور کہا: جو کچھ تم نے کیا ہے آئندہ نہیں کرنا، جب تم نماز جمعہ پڑھو تو اس وقت تک اس کے بعد کوئی اور نماز نہ پڑھو جب تک بات نہ کر لو یا باہر نہ چلے جاؤ۔ بیشک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ اس وقت تک نماز کے بعد دوسری نماز نہ پڑھیں جب تک کہ بات نہ کرلیں، یا وہاں سے اٹھ نہ جائیں۔ (صحیح مسلم)

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: جمعہ اور دیگر نمازوں میں فرائض اور نوافل کے درمیان وقفہ کرنا سنت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز نے ایک کو دوسری نماز کے ساتھ ملانے سے منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ ان دونوں نمازوں کے درمیان بات کرلیں، یا وہاں سے کھڑے ہو جائیں۔

بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں کہ ادھر سلام پھیرا اور اُدھر سنتوں کی نیت

کرلی، جبکہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے، نبی کے اس طریقہ میں ایک حکمت یہ ہے کہ اسطرح فرض اور نفل نماز میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے، جس طرح عبادت اور غیر عبادت میں فرق کیا جاتا ہے۔(۱)

⑧ جمعہ کی پہلی اذان کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا: یہ کام عام طور پر حرمین شریفین میں ہوتا ہے کہ جیسے ہی مؤذن اذان ختم کرتا ہے اکثر نمازی نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، چند ہی بچتے ہیں جو بیٹھے رہتے ہیں، بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ جو نماز کے لئے نہیں اٹھتے ان کو برا بھلا کہا جاتا ہے، ٹوکا جاتا ہے، غلط سمجھا جاتا ہے کہ وہ دو رکعت ادا کیوں نہیں کرتے، اس موضوع پر جناب علامہ ابن الحاج کا نفیس کلام ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں: جمعہ کی پہلی اذان کے بعد نماز کے لئے کھڑے ہونے والوں کو روکنا چاہئے، کیونکہ یہ عبادات میں اضافہ کررہے ہیں، یہ کام سلف صالحین کے طریقہ کے خلاف ہے۔ سلف صالحین سے اس موقع پر دو طریقے ثابت ہیں:

---

(۱) مجموع الفتاویٰ ۲۴/۲۰۲،۲۰۳۔

۱۔بعض مسجد میں داخل ہونے کے بعد نماز پڑھنا شروع کر دیتے تھے اور امام کے منبر پر چڑھنے تک پڑھتے رہتے تھے اور جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تو نفل پڑھنا بند کر دیتے۔

۲- دوسری قسم ایسے لوگوں کی ہوتی تھی جو ہلکی نماز پڑھ کر بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ جمعہ کی نماز ہو جاتی، یعنی جمعہ کی پہلی اذان کے بعد یا کسی اور وقت کوئی نئی نماز نہیں پڑھتے تھے، نہ تو نفل پڑھنے والا بیٹھے ہوئے پر تنقید کرتا اور نہ ہی بیٹھا ہوا شخص نفل پڑھنے والے کو کچھ کہتا، لیکن جو کچھ آج کل ہو رہا ہے یہ تو اُن کے طریقہ کے سراسر خلاف ہے، یہ لوگ جمعہ کے روز اذان سے پہلے آ کر مسجد میں بیٹھ جاتے ہیں اور جب پہلی اذان ختم ہوتی ہے تو نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

⑨ بعض لوگ خطبہ کے دوران مسواک کرتے رہتے ہیں جبکہ ایسے لوگوں پر واجب یہ ہے کہ مسواک کرنا چھوڑ دیں۔

⑩ ایک غلط کام ائمہ اور خطیبوں کی طرف سے سرزد ہوتا ہے، وہ یہ کہ خطبہ کے دوران خاص طور پر دعا کرتے ہوئے بڑی تصنع اور بناوٹ سے کام لیتے

ہیں، شاعرانہ انداز سے دعا کرتے رہتے ہیں اور جملوں کے وزن ملاتے رہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام عکرمہ کو وصیت کی، جس کے آخری الفاظ یہ ہیں: جہاں تک دعا میں سجع اور بناوٹ کا تعلق ہے تو اس سے بچتے رہنا، بلا شبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کا ہم عصر ہوں ان کے ساتھ رہا ہوں، وہ سب اس کام سے بچتے رہتے تھے۔ (صحیح بخاری)

حافظ ابن حجر نے امام غزالی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بنا بنا کر تیاری کر کے تکلف کے ساتھ دعا کرنا اور اس میں شاعرانہ انداز اختیار کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے خشوع وخضوع پیدا نہیں ہوتا، البتہ جہاں تک ہم مسنون دعاؤں میں ایک ہی قسم کے متوازن جملے (جن کا وزن ایک دوسرے سے قریب تر ہوتا ہے) پاتے ہیں اس میں تکلف اور بناوٹ کا عنصر نہیں۔ (الفتح: ۱۱/۱۳۹)

⑪ **بعض لوگوں نے نماز جمعہ کے بعد مخصوص اذکار کرنا عادت بنالیا ہے،**

جن اذکار کا دیگر نمازوں کے اذکار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، جبکہ نماز جمعہ کے لئے اس طرح کے مخصوص اذکار کسی دلیل سے ثابت نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اذکار بعد از نماز ثابت ہیں ان میں کسی خاص نماز کے لئے کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ تمام فرض نمازوں کے بعد وہی اذکار مسنون ہیں جو آپ نے سکھائے، بلا دلیل کسی ذکر کا اضافہ غلط ہے۔

جناب شیخ صالح فوزان اس موضوع پر سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: نماز جمعہ کے لئے کوئی خاص اذکار نہیں ہیں بلکہ جمعہ کے بعد بھی وہی سارے اذکار ہیں جو دیگر فرض نمازوں کے بعد ہیں۔ (۱)

(۱۲) بعض لوگ دورانِ خطبہ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، یہاں تک کہ اہل وعیال کا حال بھی پوچھنا شروع کر دیتے ہیں، زیادہ تر یہ کام ایسے لوگ کرتے ہیں جو دیر سے آتے ہیں اور مسجد کے اندر جگہ نہ ہونے کی وجہ سے باہر صحن وغیرہ میں بیٹھ جاتے ہیں اور باتیں کرتے رہتے ہیں۔ یہ کام اس سنت کے سراسر خلاف ہے جس میں دوران خطبہ بات چیت سے قطعاً منع کیا گیا ہے۔

---

(۱) مجلۃ الدعوۃ، ۴/ ۱۲۷، تاریخ ۲۴/۶/۱۴۱۱ھ۔

فرمان نبوی ہے:

''اگر تم نے بروز جمعہ دوران خطبہ اپنے ساتھ والے سے کہا: خاموش ہو جاؤ' تو تم نے غلط کام کیا'' (صحیح بخاری)

لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ دوران خطبہ بات چیت سے پرہیز کریں۔

چوتھا باب
آداب مسجد کے
منافی امور
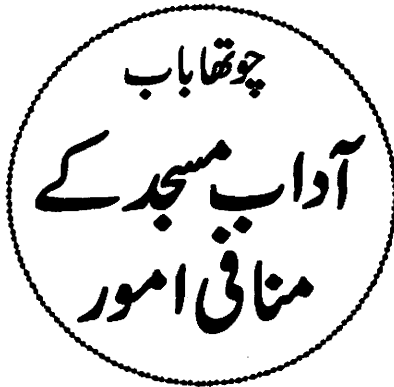
آداب مساجد کے منافی امور

① مسجدوں کو آراستہ کرنا، نقش ونگار بنانا، ان کی ملمع کاری کرنا اور زیب وزینت کے لئے بے تحاشا پیسے خرچ کرنا، بیل بوٹے بنانا اور کشیدہ کاری کرنا۔ ان سب باتوں سے مسجد کی اصلی شکل کھو جاتی ہے اور عبادت کی روحانی قوت مفقود ہو جاتی ہے۔

حکیم ترمذی نے ایک حدیث روایت کی ہے جسے علامہ البانی نے حسن قرار دیا ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تم اپنی مساجد کی زیبائش وآرائش اور اپنے قرآن پاک کے نسخوں کو مزین کرنا شروع کردو گے تو پھر تمہارے لئے ہلاکت اور تباہی ہے"

علامہ زرکشی اپنی کتاب "إعلام الساجد بأحکام المساجد" میں رقمطراز ہیں: انتیسواں مسئلہ یہ ہے: مساجد کی زیبائش وآرائش مکروہ ہے، حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے مسجدوں کو مزین کرنے کا حکم نہیں دیا گیا'' (ابوداود)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب اس طرح زیبائش وآرائش اور پختہ کرنا ہے، جیسے یہود اور نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں کو کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی، یہاں تک کہ لوگ مسجدوں کو دلکش، چمکدار اور خوش منظر بنانے میں ایک دوسرے کا مقابلہ اور تفاخر کریں گے''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد بنانے کا حکم دیا اور فرمایا: بس لوگوں کو بارش سے بچانا اور خبردار سرخ یا زرد رنگ وغیرہ سے رنگ کرکے لوگوں کو آزمائش میں نہ ڈالنا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم اپنے قرآن کے نسخوں کو مزین کرنا اور اپنی مساجد کو چمکدار اور زیب وزینت سے آراستہ کرنا شروع کردو گے تو تمہارے لئے ہلاکت وتباہی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب لوگ اپنی مسجدوں کی عمارتیں بلند کرنے لگیں گے تو ان کے اعمال پست اور بے کار ہو جائیں گے۔ (۱)

② ایک ہی محلہ میں کئی ایک مسجدیں بنانا بھی غلط ہے:

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الأمر بالاتباع والنہی عن الابتداع'' میں لکھتے ہیں: ان بدعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک ہی محلّہ میں زیادہ مسجدیں بنا دی جائیں اس سے اتحاد و اتفاق میں رخنہ پڑتا ہے، مسلمانوں کی اجتماعیت ختم ہو جاتی ہے، عابدوں کی کثرت اور لوگوں کی ریل پیل اور رونق ختم ہو جاتی ہے، مؤمن یکجا نہیں رہتے، ہر کوئی اپنی بولی بولنے لگتا ہے، میل جول ناپید ہو جاتا ہے، اسلام میں جس اجتماعیت کا حکم ہے وہ باقی نہیں رہتی، مسجدیں فائدہ کے بجائے نقصان کا باعث بن جاتی ہیں، اگر نقصان نہ بھی ہو تو فائدہ کم ہی رہ جاتا ہے، اس طرح لوگ اپنی سستی شہرت اور ریا ونمود کے لئے بلا ضرورت بھاری رقم خرچ کر دیتے ہیں۔

---

(۱) إعلام الساجد بأحكام المساجد، ص: ۳۳۷۔

③ آراستہ و پیراستہ فرش پر نماز پڑھنے سے خشوع وخضوع جاتا رہتا ہے اس کی وجہ سے نماز میں بھول ہوتی ہے اور ذہن منتشر ہو جاتا ہے۔

اس بارے میں کمیٹی برائے علمی تحقیق کے سامنے سوال رکھا گیا، جسے ہم یہاں مع جواب نقل کرتے ہیں۔

سوال: ایسی قالین یا جائے نماز پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے جس میں مسجدوں، گنبدوں، میناروں یا قبروں پر بنے ہوئے قبے وغیرہ کی تصویریں اور نقشے ہوں؟

جواب: ایسی چیز کی تصویر کشی کرنا جو ذی روح نہ ہو جائز ہے، لیکن ایسی قالین پر نماز ادا کرنا جس میں بے جان چیزوں کی تصویریں ہوں جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ چیزیں نمازی کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں۔

امام احمد اور ابو داود نے عثمان بن طلحہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کعبہ شریف میں داخل ہونے کے بعد بلایا اور فرمایا:

”جب میں بیت اللہ میں داخل ہوا تھا تو وہاں مینڈھے کی سینگ دیکھی تھی، لیکن تمہیں یہ بتانا بھول گیا تھا کہ ان کو ڈھانپ دو، انہیں

مٹادو، یہ بالکل مناسب نہیں کہ بیت اللہ میں ایسی چیز ہو جو نمازی کو نماز سے غافل کردے"

اسی طرح امام احمد اور بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پردہ تھا جسے وہ گھر کے ایک کونے میں لٹکا رکھی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اپنے اس پردہ کو میرے سامنے سے ہٹادو، یہ تو ہمیشہ میری نماز میں حائل ہوتا ہے۔

④ مسجدوں میں تجارتی اعلانات یا اشتہار وغیرہ لگانا بھی غلط ہے، جیسے لکھا جاتا ہے کہ فلاں بلڈنگ ان ان خصوصیات کے ساتھ مدرسہ یا ڈسپنسری کے لئے نہایت موزوں ہے یا پھر ٹرانسپورٹ کمپنیاں حاجیوں کے لئے اعلانات لگاتی ہیں کہ ہمارے ساتھ حج کریں، ہمارے پاس معیاری گاڑیاں، اچھی رہائش گاہ اور معیاری کھانے پینے کا انتظام ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے اعلانات مسجد کے آداب کے خلاف ہیں۔

⑤ مسجدوں کو راستہ بنا لینا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسجدوں کو راستہ نہ بناؤ، یہ تو اللہ کے ذکر اور نماز کے لئے ہیں''

⑥ **ایسی گھڑیاں مسجدوں میں لٹکانا غلط ہے** جن سے وقتاً فوقتاً ناقوس کی آواز کی طرح گھنٹیاں بجتی ہوں، جیسے عیسائیوں کے گرجوں سے خاص قسم کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ (۱)

⑦ **مسجدوں میں اتنی بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کرنا کہ ساتھ** کھڑا نمازی یا دوسرا تلاوت کرنے والا تنگ آ جائے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ ایسی مسجد جس میں صبح وشام قرآن پڑھایا اور پڑھا جاتا ہو، لیکن اس مسجد کے دروازوں کے پاس لوگ باتیں کریں جن سے قرآن پڑھنے والے کو تشویش ہوتی ہو تو کیا اسطرح کلام کرنا اور دروازوں پر شور کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اہل مسجد، اہل نماز یا قرآن پڑھنے والوں کو تنگ کرے یا پھر ذکر واذکار، دعا اور اس طرح دوسری عبادات میں

---

(۱) حجاب المرأۃ المسلمۃ للألبانی، ص:۸۳،۸۴۔

مشغول لوگوں کو تکلیف پہنچائے، اس لئے کہ مسجدیں تو انہی کاموں کے لئے بنائی گئی ہیں، کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ مسجد میں، مسجد کے دروازوں کے پاس یا کسی بھی جگہ کوئی ایسا کام کرے جس سے ان عبادت کرنے والوں کو زک پہنچے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس آئے تو وہ بآواز بلند قراءت کرتے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، تو آپ نے فرمایا:

”اے لوگو! تم سب اپنے پروردگار کے ساتھ سرگوشیاں کر رہے ہو اس لئے ایک دوسرے سے اونچی قراءت نہ کرو“

تو جب نمازی کو دوسرے نمازی کے پاس اونچی آواز میں قراءت سے منع کیا گیا تو پھر غیر نمازی کے لئے کیونکر کسی نمازی کے پاس ایسی حرکت کرنا جائز ہوگا، جس سے نماز میں خلل آتا ہو!! اس لئے اہل مسجد کو تنگ کرنا، ان کی عبادت میں خلل اندازی کرنا یا کوئی بھی ایسا کام کرنا جس سے انہیں تکلیف ہو، ناجائز ہے۔ واللہ اعلم۔

(۸) مسجد میں تھوکنا بھی بہت غلط کام ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسجد میں تھوکنا خطا ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کرنا ہے''

صحیح مسلم میں تفل کا لفظ آیا ہے جو بزاق (تھوک) سے حجم میں کم ہوتا ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ خطا (گناہ) تب ہے جبکہ اسے دفن نہ کرے اور اگر دفن کر دے تو کوئی حرج نہیں۔

شیخ عبداللہ جبرین فرماتے ہیں: موجودہ دور میں یہ چیز ناپید ہی یا بہت کم پائی جاتی ہے، کیونکہ مسجدوں میں قالین وغیرہ بچھے ہوتے ہیں، پختہ فرش ہوتا ہے اور ٹشو پیپر وغیرہ رکھے ہوتے ہیں، لہٰذا لوگ آداب مساجد کا خیال رکھتے ہوئے مسجد کے اندر فرش پر نہیں تھوکتے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دفن کا معنی وہاں لیا جائے گا جہاں مسجد کچی ہو یا ریتیلی ہو اور تھوکنے والا تھوک کو مٹی کے نیچے دبا دے۔

ابو المحاسن رویانی اپنی کتاب ''البحر'' میں لکھتے ہیں: دفن سے مراد یہ ہے کہ اسے مسجد سے باہر نکالا جائے اور اگر مسجد پختہ ٹائلوں والی یا پلاسٹر شدہ ہو تو اس کو وہیں پر پاؤں وغیرہ سے مل دینا یا رگڑ دینا دفن کے معنی میں نہیں آتا۔ جیسا کہ بے شمار جاہل لوگ کر جاتے ہیں، اس سے تو گناہ میں اور بھی

اضافہ ہوگا، کیونکہ اس سے مزید گندگی پھیلتی ہے بنا بریں جو آدمی یہ کام کر جائے اسے چاہئے کہ کپڑے یا ہاتھ وغیرہ سے اسے پونچھ دے یا دھو ڈالے۔ ''ریاض الصالحین''

⑨ **تحیۃ المسجد ادا کئے بغیر بیٹھ جانا بھی آداب مسجد کے منافی ہے:** حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو تشریف فرما دیکھ کر وہ بھی بیٹھ گئے، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ نے نماز کیوں نہ پڑھی؟ ابوقتادہ نے کہا، آپ اور باقی سب لوگ بیٹھے تھے میں بھی بیٹھ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعت نماز ادا نہ کر لے'' (صحیح بخاری، مسلم)

یہاں چند مسائل پیدا ہوتے ہیں:

(۱) اگر کوئی بھول کر بغیر تحیۃ المسجد پڑھے بیٹھ جائے تو اسے چاہئے کہ دوبارہ اٹھے اور تحیۃ المسجد ادا کرے، اس پر دو حدیثیں دلالت کرتی ہیں:

اول: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت

سلیک غطفانی بروز جمعہ اس وقت مسجد میں داخل ہوئے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے تھے تو سلیک نماز پڑھے بغیر ہی بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے دو رکعتیں (تحیۃ المسجد) ادا کر لی ہیں؟ سلیک نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا: اُٹھو اور ادا کرلو۔ (صحیح بخاری، مسلم)

دوم: حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ وہ اس حال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں حاضر ہوئے کہ آپ تشریف فرما تھے، ابوذر رضی اللہ عنہ بھی بیٹھ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے دو رکعتیں پڑھ لی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا: اٹھو اور دو رکعتیں پڑھ لو۔ (اس حدیث کو ابن حبان نے روایت کیا ہے اور یہ باب باندھا ہے کہ "تحیۃ المسجد بیٹھ جانے سے فوت نہیں ہوتی")

(۴) کوئی آدمی مسجد میں ایسے وقت داخل ہوا جس میں نماز پڑھنا منع ہے تو اب وہ تحیۃ المسجد پڑھے یا بغیر پڑھے بیٹھ جائے؟

اس سوال کا درست جواب یہ ہے کہ وہ تحیۃ المسجد ادا کرے۔

شیخ علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا

گیا تو آپ نے فرمایا: اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، البتہ صحیح ترین رائے یہی ہے کہ ایسا آدمی تحیۃ المسجد ادا کرے، کیونکہ یہ نماز ہر وقت جائز ہے، فجر کے بعد اور عصر کے بعد بھی یہ نماز پڑھی جاسکتی ہے، کیونکہ صحیح حدیث میں آتا ہے:

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک کہ دو رکعت نماز ادا نہ کرلے'' (صحیح بخاری، مسلم)

اور پھر اس نماز کا خاص سبب ہے، جیسا کہ طواف کے بعد کی دو رکعتیں ہوتی ہیں یا صلاۃ خسوف (سورج اور چاند گرہن کے وقت کی نماز) ہوتی ہے، ان سب کے لئے صحیح یہی ہے کہ ہر وقت یہ نمازیں ادا ہوسکتی ہیں۔ جیسا کہ فوت شدہ فرض نماز کی قضا کے لئے کوئی وقت نہیں ہوتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کی نماز کے بارے میں فرمایا:

''اے عبد مناف کی اولاد! اس گھر کا طواف کرنے والے اور نماز پڑھنے والے کو نہ روکو، چاہے وہ رات و دن کی کسی بھی گھڑی طواف کرے اور نماز پڑھے'' (احمد واصحاب سنن)

اسی طرح نماز کسوف کے حوالے سے آپ نے فرمایا:

''بیشک سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، یہ کسی کی موت یا زندگی کے سبب گرہن زدہ نہیں ہوتے، پس جب تم انہیں گرہن لگا ہوا دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو، یہاں تک کہ جو گرہن تمہیں نظر آ رہا ہے زائل ہو جائے'' (صحیح بخاری، مسلم)

اسی طرح قضائے نماز کے حوالے سے فرمان نبوی ہے:

''جو شخص نماز کے وقت سویا رہا یا ادا کرنا بھول گیا تو جب بھی اسے یاد آئے پڑھ لے، اس کا یہی کفارہ ہے''

یہ احادیث عام ہیں، ممنوع اوقات اور جائز اوقات سب پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے تلمیذ رشید علامہ ابن القیم کا بھی یہی مسلک ہے۔ اللہ ہی خیر کی توفیق دینے والا ہے۔

(۱۰) مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرنا بھی غلط ہے: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی مسجد میں آیا اور اس نے اعلان کیا: میرا ایک سرخ اونٹ کھو گیا ہے، جسے کہیں نظر آئے تو مجھے اطلاع کرے، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تجھے وہ نہ ملے، یہ مسجدیں صرف اسی کام کے لئے ہیں جس کے لئے بنائی گئی ہیں“ (صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مسجد میں کسی کو گم شدہ چیز کا اعلان کرتے پائے تو جواب میں یہ کہے:

”اللہ کرے وہ چیز تجھے نہ ملے، مسجدیں اس مقصد کے لئے تو نہیں بنائی گئیں“ (صحیح مسلم)

(۱۱) مسجد میں خرید وفروخت اور تجارت بھی غلط ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تم کسی کو مسجد میں خرید وفروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو اللہ کرے تجھے اس تجارت میں فائدہ نہ ہو“ (ترمذی، دارمی، ابن خزیمہ وغیرہ)

(۱۲) مسجد میں اپنے لئے کوئی جگہ مخصوص کر لینا اور صرف اسی جگہ پر نماز پڑھنا اور اگر کوئی اس جگہ پر بیٹھ جائے تو تنگ اور پریشان ہونا:

حضرت عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا کہ کوئی مسجد میں اپنے لئے اس طرح جگہ مخصوص کرے جیسے اونٹ کرتا ہے۔ (احمد، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم)

امام ابن القیم نے "بدائع الفوائد" میں مروزی کا یہ قول نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

حضرت ابوعبداللہ امام کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے، ایک دن جب پہنچے تو دیکھا کہ لوگ ان کی جگہ چھوڑ کر کھڑے ہیں تا کہ آ کر اپنی جگہ کھڑے ہو جائیں، آپ آئے اور صف کی ایک طرف کھڑے ہوگئے (اُس خالی جگہ پر کھڑے نہ ہوئے) اور فرمایا: اس سے منع کیا گیا ہے کہ کوئی شخص اونٹ کی طرح نماز کے لئے جگہ مخصوص کرے۔ (البدائع: ۸۲/۳)

اللہ آپ پر رحمت نازل کرے، سلف صالحین کی مثالیں دیکھئے، لوگوں نے ان کے لئے جگہ چھوڑ دی، پھر بھی وہ اس جگہ کھڑے نہ ہوئے، لیکن آج کل اگر کوئی کسی دوسرے کی جگہ کھڑا ہو جائے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے کہ اس کی جگہ پر دوسرا کیوں آ گیا۔

(۱۴) مسجد میں مصلی وغیرہ بچھا کر کسی خاص جگہ پر قبضہ کرنا بھی درست نہیں:

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: بروز جمعہ یا کسی اور موقع پر وقت سے پہلے جائے نماز وغیرہ بچھا کر جگہ پر قبضہ کرنا ممنوع بلکہ حرام ہے۔

کیونکہ اس طرح مسجد کے ایک حصے کو غصب کرلیا جاتا ہے اور پھر چٹائی یا مصلی بچھانے والا تو دیر سے آتا ہے لیکن جو نمازی اس سے پہلے مسجد میں آتا ہے اس کا حق مارا جاتا ہے، حق تو یہ ہے کہ جو پہلے آئے وہ اپنی مرضی کی جگہ پر بیٹھے۔

مزید فرماتے ہیں: شریعت میں حکم تو یہ ہے کہ نماز میں آنے کے لئے پہل کی جائے، لیکن جو شخص چٹائی وغیرہ بھیجتا ہے اور خود گھر میں بیٹھا رہتا ہے تاکہ جگہ پر قبضہ رہے، وہ شریعت کی دہری خلاف ورزی کرتا ہے۔ ایک تو نماز میں پہلے پہنچنے کا زیادہ اجر وثواب ہے اور وہ دیر سے آتا ہے اور دوسرا یہ کہ مسجد کی ایک جگہ پر ناجائز قبضہ کرتا ہے، اس وجہ سے اس سے پہلے آنے والے نمازیوں کا حق مارا جاتا ہے اور صف بھی اس کے آنے تک ادھوری

رہتی ہے، اس پر مستزاد یہ کہ جب لوگ بیٹھ چکے ہوتے ہیں تو وہ لوگوں کے اوپر سے پھلانگتا ہوا آتا ہے۔

شیخ ابن سعدی رحمہ اللہ سے مسجد میں جگہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اللہ تم پر رحمت کرے خوب جان لو کہ مسجدوں میں جگہ روکے رکھنا یا کوئی لاٹھی وغیرہ علامتاً وہاں رکھ دینا تاکہ کوئی اور نہ بیٹھے اور خود گھر میں بیٹھے رہنا یا بازار وغیرہ میں مصروف رہنا، بالکل جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ خلاف شرع کام ہے، صحابہ اور تابعین سے تو یہ طریقہ ہمیں نہیں ملتا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مسجد میں جلدی آنے، امام کے قریب بیٹھنے اور پہلی صف میں بیٹھنے کی ترغیب دلاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''اگر لوگوں کو اذان اور پہلی صف کے عظیم اجر کا پتہ چل جائے تو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی سبقت کرنے لگیں، یہاں تک کہ اگر قرعہ اندازی بھی کرنا پڑے تو یہ قرعہ اندازی بھی کرڈالیں''

یعنی اتنے بڑے اجر کے لئے مصلی یا عصا وغیرہ بھیجنے سے کام نہیں چلے گا

بلکہ خود پہلے مسجد میں آنا ضروری ہے، جو آدمی اپنے لئے آگے جگہ رکھوالیتا ہے اور خود لیٹ آتا ہے، دراصل وہ نیکی نہیں کرتا بلکہ شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہے، اگر کوئی آدمی یہ سمجھتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مصداق بننے کے لئے وہ مسجد میں اپنی جگہ رکھوالے اور آخر میں آکر بیٹھ جائے گا اور بڑا اجر پائے گا تو وہ جھوٹا ہے۔اس کے لئے اس مکان یا جگہ کی کوئی فضیلت نہیں بلکہ وہ اس اجر سے محروم رہے گا اور گناہ گار ہوگا۔ (الفتاویٰ السعدیہ، ص:۱۸۲)

⑭ **بعض لوگ مسجدوں میں تو جلدی آجاتے ہیں لیکن اذان اور اقامت** کا درمیانی وقت اپنے ساتھی کے ساتھ گپ شپ میں گزار دیتے ہیں اور دنیوی معاملات میں اس قدر رکھو جاتے ہیں کہ دوسرے ذکر واذکار کرنے، قرآن پڑھنے یا نماز پڑھنے والوں کا بھی خیال نہیں کرتے، یہ لوگ بہرحال گنہگار ہوتے ہیں کیونکہ ان کی بات چیت ویسے بھی غلط ہے، ساتھ ہی وہ تو دوسروں کو بھی تکلیف دیتے ہیں، ذرا تصور کیجئے کہ اگر اونچی آواز سے تلاوت قرآن کرنے والا اس صورت میں گنہگار ہوسکتا ہے کہ اس کے قرآن

پڑھنے سے دوسرے تلاوت کرنے والے اور نماز پڑھنے والے تنگ ہوتے ہوں تو باتیں کرنے والوں کا گناہ کس قدر ہوگا۔

صحیح حدیث میں آتا ہے:

''آخری زمانہ میں لوگ گروپوں (حلقہ) کی صورت میں مسجدوں میں بیٹھ کر دنیا کی باتوں میں مصروف رہا کریں گے، پس تم ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھنا، کیونکہ اللہ کو کوئی ضرورت نہیں کہ ایسے لوگ مسجدوں میں بیٹھیں''(۱)

آداب مساجد کے منافی امور کے حوالے سے باتیں کرتے ہوئے امام ابن نحاس کہتے ہیں: دنیا کے بارے میں گفتگو کرنے کے لئے مسجدوں میں بیٹھنا بدعت ہے، کیونکہ مسجدیں تو اللہ کے ذکر، نماز اور تعلیم دین وغیرہ کے لئے بنائی گئی ہیں، سلف صالحین اسی مقصد کے لئے مسجدوں میں جمع ہوتے تھے، دنیوی معاملات کے بارے میں گفتگو کے لئے نہیں۔ (۲)

---

(۱) السلسلۃ الصحیحۃ للألبانی، حدیث:۱۱٦۳۔

(۲) تنبیہ الغافلین، از ابن نحاس، ص:۲٦۷۔

(۱۵) مسجدوں کے پنکھے، کولر، جھاڑو اور لاؤڈ اسپیکر وغیرہ کسی اور اجتماع یا پروگرام کے لئے لے جا کر استعمال کرنا بھی جائز نہیں۔ امام ابن نحاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:...... مسجد کی چٹائی اور چراغ وغیرہ کسی اور محفل کے لئے عاریۃً لے جانا جائز نہیں۔ (تنبیہ الغافلین، ص:۲۶۷)

(۱۶) مسجدوں میں درخت اور پودے وغیرہ لگانا بھی غلط ہے:

علامہ زرکشی فرماتے ہیں: مسجدوں میں درخت، کھجوریں وغیرہ لگانا اور کنویں کھودنا مکروہ ہے، کیونکہ ایک تو اس فعل سے نمازیوں کو تنگی ہوتی ہے، دوسرا یہ کہ سلف صالحین ایسا نہیں کرتے تھے۔ (اِعلام الساجد بأحکام المساجد، ص:۳۴۲)

(۱۷) بعض ملکوں میں عید الفطر اور دینی پروگرام وغیرہ کے موقع پر مسجدوں کو آراستہ و پیراستہ کیا جاتا ہے، چراغاں کیا جاتا ہے، قمقمے لگتے ہیں اور پھول نچھاور کئے جاتے ہیں، حالانکہ یہ غلط فعل ہے۔

اس سلسلہ میں فتاویٰ کی دائمی کمیٹی سے دریافت کیا گیا تو جواب یہ تھا:

مسجدیں اللہ کے گھر اور زمین پر سب سے بہترین اور مقدس جگہ ہیں،

اللہ نے ان میں اپنے ذکر، وحدانیت اور نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت نہیں کہ انہوں نے مسجد کی عزت واحترام اور وقار بلند کرنے کے لئے چراغاں کرایا ہو یا کہیں مذہبی تہواروں اور خاص موقعوں پر پھول رکھے ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کام نہ تو خلفائے راشدین نے کیا، نہ ہی قرون اولیٰ کے ہدایت یافتہ علماء میں سے کسی نے کیا، جبکہ ان کے بارے میں خود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ وہ خیر القرون تھے اور پھر اسلام کے اس دور میں خوب ترقی ہوئی، مسلمان بہت خوشحال ہوئے، دنیا کی دیگر ترقی یافتہ قوموں پر غلبہ بھی پایا، بے شمار انواع واقسام کے اسباب حسن وجمال وزیب وزینت اسلام کی ان تین ابتدائی صدیوں (قرون ثلاثہ) میں بھی تھے۔ (اگر یہ سب کچھ کرنا درست ہوتا تو ان کے پاس وسائل موجود تھے) پس بھلائی اور خیر ساری کی ساری اتباع رسول، اتباع خلفائے راشدین اور ان کے طریقے پر چلنے والے اہل ایمان کے طریقے ہی میں ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ مسجدوں میں چراغاں کرنا، ان کی چھتوں پر یا اردگرد

زینت کے لئے بڑے بڑے بلب لگانا، میناروں کو روشن کرنا، رنگ برنگی جھنڈیاں لگانا، خاص دنوں میں پھول وغیرہ یا گملے رکھنا، یہ سب کچھ مساجد کی آرائش وزیبائش کے لئے کرنا کفار کی مشابہت ہے، وہ بھی اپنی عبادت گاہوں، گرجا گھروں اور کنیسوں کو اسی طرح سجاتے ہیں، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادات اور تہوار وغیرہ میں ان کی نقل ومشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔[1]

---

(۱) مجلۃ البحوث الاسلامیۃ، ۲۵/۶۸، ۶۹۔

فہرست

چوتھا باب: آداب مساجد کے منافی امور ۲۴۳

(اردو)

مختصر مخالفات الطهارة والصلاة
وبعض مخالفات المساجد

طهارت ونماز کی غلطیاں
اور آداب مساجد کے منافی امور

تالیف:

شیخ عبدالعزیز بن محمد السدحان

اختصار:

شیخ عبداللہ بن یوسف العجلان

ترجمہ:

محمد سلیم ساجد المدنی

نشر وتوزیع:

المکتب التعاونی للدعوۃ والإرشاد وتوعیۃ الجالیات بغرب الدیرۃ

ص.ب: ١٥٤٤٨٨ الریاض: ١١٧٣٦ ہاتف: ٤٣٩١٩٤٢ فاکس: ٤٣٩١٨٥١